www.iqbalkalmati.blogspot.com

ردرپریاگ کا آدم خور

جم کاربٹ

ردرپریاگ کا آدم خور

جم کاربٹ

ترجمہ: جاوید شاہین

فکشن ہاؤس
بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، پاکستان
Ph: 042- 37249218, 37237430
E-mail:fictionhouse2004@hotmail.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : ردر پریاگ کا آدم خور

مصنف : جم کاربٹ

ترجمہ : جاوید شاہین

اہتمام : ظہور احمد خاں

کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور

پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور

سرورق : ریاض ظہور

اشاعت : 2010

قیمت : -/200

ہیڈ آفس: بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، پاکستان

سب آفس حیدر آباد: 52,53 رابعہ اسکوائر حیدر چوک گاڑی کھاتہ حیدر آباد

فون: 022-2780608

فہرست

یاترا سڑک	5
آدم خور	9
دہشت	13
آمد	29
تحقیق	32
پہلا انسانی شکار	36
چیتے کی تلاش	39
دوسرا انسانی شکار	42
تیاریاں	49
جادو	54
بال بال بچاؤ	57
لوہے کا پھندہ	59
شکاریوں کا تعاقب	67
واپسی	76
مچھلی کا شکار	84
بکرے کی موت	94
لاش میں زہر	98

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چیتے کی خوش قسمتی 105

احتیاط کی ضرورت 116

ایک جنگلی سؤر کا تعاقب 121

صنوبر کے درخت پر شب بیداری 126

دہشت کی رات 138

چیتے چیتے کا مقابلہ 145

اندھیرے میں ایک فائر 158

حرف آخر 175

یاترا سڑک

اگر آپ ہندوستان کے تپتے ہوئے میدانوں کے رہنے والے ایک ہندو باسی ہیں اور تمام اچھے ہندوؤں کی طرح کیدار ناتھ اور بدری ناتھ کی قدیم یاتراؤں کی یاترا پر جانا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی اس یاترا کا آغاز ہردوار سے کرنا ہو گا۔ اور اگر آپ اس یاترا کا پورا پورا ثواب کمانا چاہتے ہیں تو ہردوار سے کیدار ناتھ اور وہاں سے بدری ناتھ تک سارا سفر ننگے پاؤں طے کریں۔

"ہرکی پیاری" کے پوتر تالاب میں اشنان کر کے خود کو پوتر کرنے اور ہردوار کے بہت سے مندروں اور مقدس جگہوں کے درشن کرنے اور وہاں تھوڑا بہت نذرانہ دینے کے بعد آپ ان اپاہجوں اور کوڑھیوں کو دان دینا نہ بھولیں جو مقدس تالاب کے قریب سڑک کے کنارے ہاتھ پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر آپ اس غلطی کے مرتکب ہو گئے تو وہ آپ کو شراپ دیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان اپاہجوں اور کوڑھیوں کے گندھے چیتھڑوں یا ان کے خستہ حال جھونپڑوں میں اتنی دولت ہوتی ہے کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کی بددعاؤں سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اور پھر آپ کو فقط چند سکے خرچ کرنے پڑیں گے۔

اب آپ ایک اچھے ہندو کی طرح مذہب کی تمام رسموں سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ اور اپنی طویل اور مشکل یاترا کا آغاز کرنے کے لئے آزاد ہیں۔

ہردوار سے چلنے کے بعد آپ کی دلچسپی کی پہلی جگہ رکی کیش آئے گی۔ یہاں آپ سب سے پہلے کالی کمبلی والوں سے ملیں گے۔ کالی کمبلی والوں کے بزرگ اپنے بدن کے گرد فقط ایک کالا کمبل اوڑھتے تھے۔ ان کے اکثر چیلے آج بھی ان کی پیروی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرتے ہیں- یہ کمبل انہوں نے کمر میں بکری کے بالوں سے باندھ رکھا ہوتا ہے- یہ لوگ سارے ہندوستان میں اچھے کارناموں کے سبب مشہور ہیں- میرے خیال میں آپ کے سفر کے دوران میں کوئی دوسرا ایسا مذہبی فرقہ نہ ملے گا جو اپنی شہرت کا دعویدار ہو مگر کالی کمبلی والے یہ دعویٰ بڑے فخر سے کرتے ہیں- اور حقیقت میں اس کا جواز بھی ہے کیونکہ بہت سے مندروں اور مقدس جگہوں سے انہیں جو نذرانہ وغیرہ ملتا ہے اس سے انہوں نے کئی ہسپتال کھول رکھے ہیں- یاتریوں کے لئے ٹھہرنے کی جگہیں بنا رکھی ہیں اور وہ ضرورت مند اور غریب لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں-

رکی کیش سے چلنے کے بعد آپ لچھمن جھولا پہنچیں گے جہاں سے یاترا سڑک ایک جھولا نما پل کے ذریعے دریائے گنگا کے دائیں کنارے سے بائیں جانب ہو جاتی ہے- یہاں سرخ بندروں سے باخبر رہیں جو پل پر ڈیرہ جمائے رہتے ہیں- یہ بندر ہردوار کے لاہجوں سے زیادہ تنک مزاج اور لالچی ہیں- اگر آپ ان کے لئے مٹھائی یا بھنے ہوئے چنے لانا بھول گئے ہیں تو آپ کا پل پر سے گزرنا دوبھر کر دیں گے-

دریائے گنگا کے بائیں کنارے پر تین دن کے سفر کے بعد آپ گھڑوال کے قدیم دارالحکومت شری نگر پہنچ جائیں گے- یہ شہر مذہبی اور تاریخی اہمیت کے علاوہ کاروباری نقطہ نظر سے بھی بڑا اہم ہے- یہ پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی ایک کشادہ اور وسیع وادی میں واقع ہے اور خوبصورتی کا ایک عمدہ نمونہ ہے- اسی وادی میں 1805ء میں گھڑوالیوں کے آباؤ اجداد نے گورکھا حملہ آوروں کی یلغار کو روکنے کی آخری ناکام کوشش کی تھی- اس کے علاوہ گھڑوال کے باشندوں کو اس بات کا بھی بے حد افسوس ہے کہ 1894ء میں گوہنا لیک ڈیم کے اچانک ٹوٹ جانے سے ان کا قدیم شہر شری نگر اور وہاں مہاراجاؤں کے عظیم الشان محل تیز پانی کی یورش کی تاب نہ لا کر بہ گئے تھے- اس ڈیم کو بڑی گنگا کی وادی نے جنم دیا ہے- بڑی گنگا بذات خود دریائے گنگا کی ایک شاخ ہے- جو شروع میں گیارہ ہزار فٹ چوڑی اور آگے چل کر نو سو فٹ کی بلندی پر دو ہزار فٹ چوڑی رہ جاتی ہے- جب اس وادی کے منہ پر بنا ہوا ڈیم پتھروں کے سینے

کو چیر کر ایک دم پھوٹ پڑا تو فقط چھ گھنٹوں کے اندر اس نے دس کھرب کیوبک فٹ پانی بہا دیا- اس سیلاب نے گنگا سے ہردوار تک تباہی مچا دی اور راستے کا ہر پل توڑ دیا- مگر اس سیلاب میں فقط ایک کنبے کا جانی نقصان ہوا- اور وہ بھی اس کنبے کے افراد کی اپنی غلطی تھی- جب انہیں زبردستی خطرے والی جگہ سے لایا گیا تو وہ پھر وہاں پہنچ گئے-

شری نگر سے چنگال تک آپ کو مشکل چڑھائی کا سامنا کرنا پڑے گا- مگر وادی گنگا کے دلکش نظارے اور بدری ناتھ کی ابدی برف آپ کو یہ دشوار چڑھائی محسوس نہ ہونے دے گی-

چنگال سے ایک دن کا سفر آپ کو گلاب رائے پہنچا دے گا- یہاں آپ کو گھاس پھوس کے بنے ہوئے ایسے سائبان اور کمرے دکھائی دیں گے جہاں یاتری قیام کرتے ہیں- یہاں پینے کا پانی جمع کرنے کا ایک بہت بڑا تالاب بھی ہے- اس بڑے تالاب کو ایک ایسی شفاف ندی بھرتی ہے- جس کا پانی گرمیوں میں پہاڑوں کے نیچے بچھی ہوئی نالیوں اور پائپوں کے ذریعے لے جایا جاتا ہے- لیکن سال کے دوسرے موسموں میں اس ندی کا پانی پھول دار تختوں ہری بھری گھاس اور چھوٹے چھوٹے جنگلی پودوں اور جھاڑیوں کے درمیان اٹکھیلیاں کرتا رہتا ہے-

اس سائبان اور کمروں سے ایک سو گز دور سڑک کی دائیں طرف آم کا ایک درخت ہے- یہ درخت اور اس کے اوپر گلاب رائے کے سائبانوں اور کمروں کے مالک پنڈت کا دو منزلہ مکان ہے- یہ درخت اور یہ دو منزلہ مکان قابل توجہ ہیں- کیونکہ آئندہ بیان ہونے والی داستان میں یہ بڑا اہم کردار انجام دیتے ہیں-

یہاں سے مزید دو میل کا سفر طے کرنے پر آپ "رودر پریاگ" پہنچ جائیں گے- یہاں سے میرا اور آپ کا راستہ جدا ہو جاتا ہے- آپ کا راستہ الک نندہ سے اور منڈاکنی کے بائیں کنارے سے کیدار ناتھ کی سمت جاتا ہے اور میرا راستہ یہاں سے پہاڑیوں کے اوپر اوپر نینی تال میں میرے گھر کی سمت مڑتا ہے-

آپ کے سامنے پھیلی ہوئی سڑک جس پر لاکھوں یاتری چل چکے ہیں' بڑی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آدم خور

"پریاگ" ہندی میں سنگھم کو کہتے ہیں۔ رودر پریاگ کے مقام پر دو دریا۔ یعنی منڈاکنی جو کیدار ناتھ کی سمت سے آتا ہے اور دوسرا الک نندہ جو بدری ناتھ سے اس سمت بہتا ہے۔ دونوں مل جاتے ہیں اور یہاں سے آگے ان دریاؤں کا ملا جلا پانی ہندوؤں کے لئے گنگا مائی اور باقی دنیا کے لئے فقط گنگا بن جاتا ہے۔

جب کوئی جانور خواہ وہ چیتا ہو یا شیر' آدم خور بن جاتا ہے تو شناخت کی خاطر اسے کسی جگہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس طرح کسی آدم خور کو جو نام دیا جاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس جانور نے آدم خوری کا آغاز اس جگہ سے کیا تھا یا اس نے اپنے تمام انسانی شکار اسی جگہ پر ہلاک کئے تھے۔ یہ بڑی فطری بات ہے کہ وہ چیتا جس نے "رودر پریاگ" سے بارہ میل دور کیدار ناتھ کی یاترا سڑک پر آدم خوری کا آغاز کیا تھا' بعد میں رودر پریاگ کے آدم خور چیتے کے نام سے پکارا جائے۔

جن وجوہ کی بنا پر شیر آدم خور بن جاتے ہیں' ان وجوہ کے سبب چیتے آدم خور نہیں بنتے۔ ہندوستانی جنگلات کے چیتے جو نہایت خوبصورت ہوتے ہیں اور جب زخمی ہو جائیں یا انہیں گھیر لیا جائے تو شیر جیسی جرات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی یہ بات تسلیم کرنے میں عار محسوس ہوتی ہے کہ بعض اوقات بھوک سے تنگ آ کر وہ اس قدر گھٹیا ہو جاتے ہیں کہ مردار بھی کھا لیتے ہیں' بالکل افریقہ کے شیروں کی طرح۔

گھڑوال کے باشندے ہندو ہیں اور وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں۔ مردوں کو جلانے کی رسم کسی ندی یا دریا کے کنارے ادا کی جاتی ہے تاکہ ان کی راکھ گنگا مائی میں بہ

ڈھلوان اور ناقابل اعتبار حد تک سخت اور پتھریلی ہے۔ آپ کے پھیپھڑے جنہوں نے سطح سمندر سے اوپر کبھی کام نہیں کیا۔ اور جو اپنے گھر کی چھت سے کبھی اوپر نہیں چڑھے اور آپ کے پاؤں جو نرم زمین پر چلنے کے عادی ہیں' انہیں بڑی تکلیف اٹھانی ہو گی۔ بارہا ایسے مقام آئیں گے جب آپ پھولے ہوئے سانس اور زخمی پاؤں سے چڑھائی چڑھنے میں مصروف ہوں گے اور آپ کے ذہن میں کئی بار یہ سوال سر اٹھائے گا کہ کیا یاترا کا ثواب اس تکلیف کی تلافی کر سکے گا۔ مگر ایک اچھے ہندو کی طرح آپ اپنا سفر جاری رکھیں۔ اور اس خیال سے خود کو تسلی دیں کہ تکلیف کے بغیر راحت حاصل نہیں ہوتی۔ اور اس دنیا میں جس قدر کوئی دکھ اٹھائے گا اگلی دنیا میں اتنی ہی اس کو جزا ملے گی۔

○

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائے۔ چونکہ اس علاقے کے بہت سے دیہات پہاڑیوں پر واقع ہیں اور کوئی ندی یا دریا ان سے کئی میل دور وادی میں ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ ایسے دیہات کے لوگوں کو مردوں کو اٹھانے کے علاوہ اسے جلانے کی خاطر لکڑی وغیرہ ندی یا دریا کے کنارے لے جانے میں کس قدر دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہو گا۔ عام حالات میں وہ لوگ یہ رسمیں بڑے خلوص سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن جب پہاڑیوں میں کوئی متعدی وبا پھیل جاتی ہے اور لوگ زیادہ تعداد میں مرنے لگتے ہیں تو اس صورت میں ایک بڑی سادہ سی رسم ادا کی جاتی ہے۔ لوگ مردے کے منہ میں ایک جلتا ہوا کوئلہ رکھ کر ضروری رسم ادا کرتے ہیں اور پھر اسے اٹھا کر کسی بلند پہاڑی پر سے نیچے وادی میں پھینک دیتے ہیں۔

ایک چیتے کے لئے جس علاقے میں فطری غذا کی کمی ہو وہ ایسی لاشوں کو کھا کر بڑی جلدی انسانی گوشت کا دلدادہ بن جاتا ہے اور جب متعدی وبا ختم ہو جاتی ہے اور حالات کا دھارا عام رفتار سے بہنے لگتا ہے تو ایسا چیتا اپنی غذا کے پیش نظر انسانوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیتا ہے۔ 1918ء میں ہندوستان کے اندر انفلوئنزا کی جو وبا پھیلی تھی اس میں تقریباً دس لاکھ انسان ہلاک ہوئے تھے۔ گھڑوال میں بھی بے حد جانی نقصان ہوا۔ اس وباء کے اختتام پر گھڑوال کے آدم خور نے اپنی تباہ کاری شروع کی تھی۔

رودر پریاگ کے آدم خور چیتے نے اپنا پہلا انسانی شکار موضع بینجی میں 9۔ جون 1918ء کو اور اس نے اپنا آخری انسانی شکار موضع بھینسوارہ میں 14۔ اپریل 1926ء کو کیا۔ ان دو تاریخوں کے درمیانی عرصے میں سرکاری ریکارڈ کے مطابق اس آدم خور چیتے نے 125 انسانوں کو ہلاک کیا تھا۔

میرے خیال میں یہ اعداد و شمار جو گھڑوال میں مقیم سرکاری افسروں نے حکومت کی ہدایت کے تحت ریکارڈ کئے تھے' بڑی حد تک درست نہیں۔ میں اپنے اس دعوے کے جواز میں یہ بیان دیتا ہوں کہ جن دنوں میں اس علاقے میں تھا اس زمانے میں بھی آدم خور نے کئی انسانوں کو ہلاک کیا مگر ان میں سے بیشتر اموات سرکاری ریکارڈ میں

درج نہیں تھیں۔

میری یہ ہرگز خواہش نہیں کہ آدم خور کی حقیقی انسانی ہلاکتوں کو کم بیان کر کے گھڑوال کے باشندوں کی اس تکلیف کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کروں جس میں وہ آٹھ برس تک مبتلا رہے تھے مگر میری یہ منشا بھی نہیں کہ اس آدم خور کی تباہیوں پر حاشیہ آرائی کر کے یہ ثابت کروں کہ رودر پریاگ کا آدم خور چیتا سب سے زیادہ خوفناک آدم خور تھا۔ جیسا کہ گھڑوال کے لوگوں کا دعویٰ تھا۔

اس اخباری شہرت کے علاوہ کیدار ناتھ اور بدری ناتھ کی یاتراؤں پر ہندوستان کے ہر حصے سے ہر سال جو ساٹھ ہزار کے قریب یاتری آئے تھے وہ واپسی پر اس چیتے کی کہانیاں اپنے علاقوں میں بیان کیا کرتے تھے۔

جب کوئی آدم خور جانور کسی انسان کو ہلاک کر دیتا ہے تو حکومت کا یہ طریق کار ہے کہ اس شخص کے لواحقین اس موت کی رپورٹ گاؤں کے پٹواری کے پاس درج کرائیں۔ ایسی رپورٹ ملنے پر پٹواری جائے حادثہ پر جاتا ہے۔ اور اگر اس کے پہنچنے سے پہلے متوفی کی نعش نہ ملے تو ایک تلاشی پارٹی منظم کر کے نعش کو برآمد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر اس کے پہنچنے سے پہلے لاش مل جائے یا تلاشی پارٹی اسے ڈھونڈ لے تو پٹواری جائے حادثہ پر تحقیق کرتا ہے اور جب اسے یقین ہو جائے کہ وہ کوئی قتل کا کیس نہیں بلکہ آدم خور ہی نے اسے ہلاک کیا ہے تو وہ لاش کے لواحقین کو اسے اٹھانے اور جلانے یا دفن کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے رجسٹر میں اس ہلاکت کو درج کرتا ہے اور اس کی ایک مفصل رپورٹ اپنے ضلع کے حاکم اعلیٰ کو روانہ کر دیتا ہے۔ ضلع کے حاکم اعلیٰ یعنی ڈپٹی کمشنر کے پاس بھی ایک رجسٹر ہوتا ہے۔ جس میں آدم خور کی تمام انسانی ہلاکتیں درج کی جاتی ہیں لیکن اگر لاش کا کوئی حصہ غائب ہو جیسے کہ بعض اوقات ہو جاتا ہے کیونکہ آدم خور کو اپنا شکار دور تک لے جانے کی عادت ہوتی ہے' تو ایسی صورت میں مزید تحقیق کے لئے کیس کو روک لیا جاتا ہے۔ اور اس ہلاکت کا ذمہ دار آدم خور کو نہیں ٹھہرایا جاتا۔ علاوہ بریں جب کوئی شخص آدم خور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے ہاتھوں زخمی ہو جائے اور وہ ان زخموں کی تاب نہ لا کر مر جائے تو ایسی موت کا ذمہ دار بھی آدم خور کو نہیں ٹھہرایا جاتا۔

حکومت نے آدم خور کی انسانی ہلاکتوں کو ریکارڈ کرنے کا جو طریق کار اختیار کر رکھا ہے اگرچہ وہ خاصا اچھا ہے لیکن ایسا آدم خور حکومت کے ریکارڈ میں درج انسانی ہلاکتوں سے کہیں زیادہ انسانوں کی موت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب وہ ایک وسیع رقبے میں سرگرم عمل ہو۔

○

دہشت

روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے واقعات کے سلسلے میں لفظ "دہشت" اس کثرت سے استعمال ہوتا ہے کہ جب کبھی اس کا صحیح مطلب سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ لفظ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا میں آپ کو یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ گھڑوال کے پانچ سو مربع میل کے رقبے میں آباد پچاس ہزار باشندوں اور ان ساٹھ ہزار یاتریوں کے نزدیک سچ مچ کی دہشت کا کیا مطلب تھا۔ یہ یاتری 1918ء سے 1926ء تک ہر سال یاترا کی غرض سے گھڑوال سے گزرا کرتے تھے۔ چند مثالوں سے میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ گھڑوال کے باسی اور یاتری آخر کیوں آدم خور سے اس قدر دہشت زدہ تھے۔

رودر پریاگ کے آدم خور چیتے نے جو کرفیو آرڈر نافذ کر رکھا تھا میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی دوسرے کرفیو آرڈر کی لوگوں نے اتنی سختی سے پابندی نہ کی ہو گی۔

دن کی روشنی میں اس علاقے میں زندگی کی گہما گہمی حسب معمول جاری تھی۔ لوگ دور دراز کے بازاروں میں کاروبار کے سلسلے میں جاتے، گرد و نواح کے دیہات میں اپنے عزیزوں اور احباب سے ملتے، عورتیں پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر سائبان وغیرہ بنانے یا مویشیوں کے لئے چارے کی خاطر گھاس کاٹنے جاتیں، لڑکے سکول یا جنگل میں مویشی چرانے یا ایندھن کے لئے لکڑیاں کاٹنے جاتے۔ اگر موسم گرما ہوتا تو یاتریوں کی ٹولیاں بھجن گانے میں مصروف بدری ناتھ اور کیدار ناتھ کی یاتراؤں کی طرف آتی جاتی دکھائی دیتیں۔

لیکن جونہی سورج مغربی افق کے قریب پہنچ جاتا اور سائے لمبے ہونے لگتے، اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

علاقے کے تمام باسیوں کے طرز سلوک میں ایک دم نمایاں تبدیلی آ جاتی۔ بازار یا گرد و نواح کے دیہات میں گئے ہوئے لوگ تیز تیز قدموں میں گھر کی سمت بھاگنے لگتے' عورتیں گھاس کے بڑے بڑے گٹھے اٹھائے پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر سے لڑھکنے لگتیں۔ لڑکے جو سکول سے واپسی پر راستے میں کھیلنے لگ جاتے یا جو جنگل میں بھیڑیں وغیرہ چرانے یا ایندھن وغیرہ لینے گئے ہوتے' ان کی متفکر مائیں انہیں آوازیں دینے لگتیں۔ اور تھکے ماندے یاتریوں کو مقامی باشندے کوئی پناہ گاہ تلاش کرنے کی تلقین کرتے۔

رات پھیلنے کے ساتھ ہی سارے علاقے پر ایک پرخوف اور منحوس خاموشی مسلط ہو جاتی نہ کہیں کوئی جنبش' نہ کہیں کوئی آواز' ساری آبادی بند دروازوں کے عقب میں مقید ہو جاتی۔ بعض لوگوں نے اپنے گھروں کے دوہرے دروازے بنا رکھے تھے۔ جو یاتری کسی گھر میں پناہ حاصل کرنے میں ناکام رہتے انہیں مندروں سے ملحق کمروں میں بند کر دیا جاتا۔ پھر ایسے کمرے ہوں یا مکان' ہر جگہ بھرپور خاموشی مسلط ہو جاتی اور اس ڈر سے کوئی آواز نہ نکالی جاتی کہ کہیں ظالم آدم خور آواز سن کر ادھر نہ آ جائے۔

گھڑوال کے باسیوں اور یاتریوں کے نزدیک آٹھ برس تک دہشت کا یہ مطلب تھا۔

اب میں چند مثالوں سے واضح کرتا ہوں کہ اس قسم کی دہشت کی آخر کیا وجہ تھی۔

ایک شخص نے ایک چودہ سالہ یتیم لڑکا اپنی بکریوں کی دیکھ بھال کے لئے ملازم رکھا ہوا تھا۔ وہ لڑکا اچھوت تھا۔ ہر شام جب وہ بکریاں چرا کر واپس آتا تو اس کا مالک اسے کھانا کھلانے کے بعد بکریوں کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیتا۔ وہ کمرہ مکان کی نچلی منزل پر تھا اور اس سے اوپر والے کمرے میں اس کا مالک رہتا تھا۔ لڑکے نے رات کو سونے کے لئے کمرے کی ایک نکڑ میں تھوڑی سی جگہ بنا رکھی تھی۔ اور آگے باڑھ سی باندھ لی تھی تاکہ رات کو بکریاں اس پر چڑھ نہ جائیں۔

اس کمرے میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔ فقط ایک دروازہ تھا۔ جب لڑکا اور بکریاں

کمرے میں داخل ہو جاتیں تو مالک باہر سے دروازے کی زنجیر چڑھا کر مزید حفاظت کے لئے زنجیر میں لکڑی کا کوئی ٹکڑا پھنسا دیتا تاکہ وہ کھل نہ سکے۔ دوسری طرف کمرے کے اندر لڑکا دوہری حفاظت کے پیش نظر دروازے کے آگے ایک بڑا سا پتھر جما دیتا۔

جس رات یہ حادثہ پیش آیا لڑکے کے مالک نے حسب دستور لڑکے اور بکریوں کو کمرے میں بند کر کے باہر سے زنجیر چڑھا دی۔ اس شخص کی بات پر شک کرنے کی مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ بعد میں معائنہ کیا گیا تو دروازے پر چیتے کے پنجوں کی خراشیں موجود تھیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ دروازہ کھولنے کی کوشش میں چیتے نے زنجیر میں سے لکڑی کا ٹکڑا نکال دیا ہو یا وہ چیتے کی اس جدوجہد میں خود ہی گر پڑا ہو۔ جس کے بعد اس کے لئے زنجیر گرانا' دروازہ کھولنا اور دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہونا مشکل نہ تھا۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں چالیس بکریوں کا ہجوم چیتے کے لئے اس قدر جگہ مہیا نہ کر سکتا تھا کہ وہ ادھر ادھر گھوم سکے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ چیتے نے دروازے سے لڑکے تک کا فاصلہ بکریوں کے اوپر سے یا ان کی ٹانگوں کے نیچے سے پیٹ کے بل رینگ کر طے کیا تھا۔ ظاہر ہے چیتے کو دیکھ کر تمام بکریاں چوکنی ہو گئی ہوں گی۔

یہ تصور کر لینا بہتر ہو گا کہ دروازہ کھولنے کی جدوجہد کے دوران لڑکا بدستور نیند میں مگن رہا۔ جب دروازہ کھلا تو بکریاں باہر بھاگ گئیں۔ ان کی بھگدڑ بھی لڑکے کو بیدار نہ کر سکی' نہ ہی اس نے مدد کے لئے کسی کو آواز دی۔ بعد میں اس کے مالک نے بتایا کہ اسے ایک ہلکی سی چیخ سنائی دی تھی۔ غالباً یہ چیخ لڑکے نے اس وقت ماری ہو گی جب چیتے نے اسے دبوچ لیا ہو گا۔

کونے میں باڑھ کے اندر سوئے ہوئے لڑکے کو ہلاک کرنے کے بعد چیتا اسے اٹھا کر خالی کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے اٹھا کر وہ ایک پہاڑی کی ڈھلوان پر سے ہوتا ہوا چند کھیتوں میں سے گزر کر ایک ندی کے کنارے جا پہنچا۔ سورج نکلنے کے چند گھنٹوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعد لڑکے کے مالک کو وہاں اس کے جسم کے بچے کھچے حصے دکھائی دیئے۔

اگرچہ یہ بات ناقابل یقین ہے مگر چالیس بکریوں میں سے ایک کو بھی چیتے کے پنجوں کی خراش تک نہ آئی تھی۔

ایک ہمسایہ اپنے ساتھ والے گھر میں حقہ نوشی کی خاطر آیا۔ جس کمرے میں وہ اور اس کا دوست بیٹھے تھے اس کی شکل انگریزی کے حرف "ایل" جیسی تھی۔ جس جگہ وہ دیوار سے ٹیک لگائے حقہ گڑگڑانے میں مشغول تھے۔ وہاں سے دروازہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ دروازہ بند تو تھا مگر انہوں نے زنجیر نہ چڑھا رکھی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک چیتے نے اس گاؤں میں کوئی انسانی شکار نہ کیا تھا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ ایک دفعہ جونہی گھر کے مالک نے حقہ اپنے دوست کی طرف بڑھایا تو وہ زمین پر گر پڑا اور چلم میں سے انگارے فرش پر بکھر گئے۔ اپنے دوست کو محتاط رہنے اور جس کمبل پر وہ بیٹھے تھے اسے بچانے کی تلقین کر کے گھر کا مالک فرش پر سے کوئلے اٹھانے لگا۔ جونہی وہ آگے جھکا اسے دروازہ نظر آنے لگا۔ دروازے میں سے ابتدائی راتوں کا چاند دکھائی دے رہا تھا۔ اور اس کی مدھم روشنی میں اس نے دیکھا کہ ایک چیتا اس کے دوست کو اٹھائے کمرے سے باہر جا رہا تھا۔

چند روز بعد مجھے یہ واقعہ سناتے ہوئے اس شخص نے کہا۔ "صاحب! میں آپ سے بالکل حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ مجھے چیتے کے اندر آنے کی بالکل آواز سنائی نہ دی۔ میرا دوست مجھ سے فقط ایک گز کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ چیتے نے اسے میری موجودگی میں ہلاک کیا اور پھر اسے اٹھا کر چلتا بنا مگر مجھے یہ ساری کارروائی محسوس تک نہ ہو سکی۔ اس وقت میں اپنے دوست کے لئے کچھ نہ کر سکا تھا لیکن جونہی چیتا تھوڑی دور چلا گیا۔ میں رینگتا ہوا دروازے تک گیا اور اندر سے زنجیر چڑھا دی۔

ایک گاؤں کے نمبردار کی بیوی بیمار تھی اور دو عورتیں اس کی دیکھ بھال کے لئے اس کے گھر آئی ہوئی تھیں۔

مکان میں دو کمرے تھے۔ باہر والے کمرے میں دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ صحن میں کھلتا تھا اور دوسرا دروازہ دونوں کمروں کو آپس میں ملاتا تھا۔ بیرونی کمرے میں ایک دریچہ بھی تھا جو زمین سے تقریباً چار فٹ اونچا تھا۔ اس دریچے میں پانی سے بھری ہوئی پیتل کی ایک گاگر دھری رہتی تھی۔

اندرونی کمرے میں دروازے کے سوا کوئی دریچہ وغیرہ نہ تھا۔

صحن میں کھلنے والا دروازہ نہایت احتیاط سے بند تھا مگر دونوں کمروں کے درمیان والا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔

تینوں عورتیں اندرونی کمرے میں فرش پر لیٹی تھیں۔ بیمار عورت درمیان میں تھی۔ اس کا شوہر بیرونی کمرے میں کھڑکی کے قریب بستر پر لیٹا تھا۔ اس کے قریب فرش پر لالٹین جل رہی تھی جس کی ہلکی روشنی دروازے کے راستے اندرونی کمرے میں بھی جا رہی تھی۔

نصف شب کے قریب جب گھر کے باسی سوئے ہوئے تھے تو چیتا کھڑکی کے راستے پانی سے بھری ہوئی گاگر سے معجزانہ انداز میں پہلو بچا کر کمرے میں داخل ہوا اور آدمی کے بستر کے اوپر سے چکر لگا کر دوسرے کمرے میں گیا اور اس نے بیمار عورت کو ہلاک کر دیا جب وہ اپنے شکار کو اٹھا کر دوبارہ کھڑکی کے راستے باہر پھلانگنے لگا تو پانی سے لبریز گاگر گر پڑی جس سے دوسرے لوگ جاگ پڑے۔

جب لالٹین کی لو بلند کی گئی تو کھڑکی کے نیچے بیمار عورت پڑی دکھائی دی۔ اس کی گردن پر بڑے بڑے دانتوں کے چار زخم تھے۔

باقی دو عورتوں میں سے ایک نے بعد میں مجھے یہ واقعہ بتاتے ہوئے کہا۔ "وہ عورت بڑی بیمار تھی اور اس نے مر ہی جانا تھا۔ بھگوان کا شکر ہے کہ چیتے نے اس کو چنا تھا۔"

دو گوجر بھائی اپنی تین بھینسوں کا ریوڑ ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ لے جا رہے تھے۔ ان کے ہمراہ ایک بارہ سالہ لڑکی بھی تھی۔ جو بڑے بھائی کی بیٹی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ اس علاقے میں اجنبی تھے اور آدم خور کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے یا پھر ممکن ہے انہوں نے یہ سوچا ہو کہ ان کی بھینسیں انہیں آدم خور سے محفوظ کر لیں گی۔

سڑک کے قریب آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر تھوڑی سی ہموار زمین تھی جس کے نیچے ایک چھوٹا سا کھیت۔ اس کھیت میں ایک مدت سے کاشت نہ کی گئی تھی۔ دونوں بھائیوں نے رات اس کھیت میں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے کھیت کے درمیان اپنے مویشی ایک قطار کی شکل میں باندھ دیئے۔

شام کے کھانے سے فارغ ہو کر ان تینوں نے زمین پر اپنے کمبل بچھائے اور سو گئے۔

وہ اندھیری رات تھی۔ رات کے پچھلے پہر بھینسوں کی گھنٹیوں اور زمین پر ان کے کھر مارنے کی آوازوں نے گوجروں کو بیدار کر دیا۔ اپنے طویل تجربے کی بنا پر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہاں کوئی درندہ آ گیا ہے۔ انہوں نے لالٹین روشن کی اور بھینسوں کو خاموش کرانے کے لئے چل پڑے۔ انہوں نے دیکھا کہ کسی بھینس نے رسہ نہ تڑایا تھا۔

دونوں بھائی چند منٹ کے لئے اپنی جگہ سے غیر حاضر ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو لڑکی وہاں موجود نہ تھی۔ وہ اسے سوتا ہوا چھوڑ گئے تھے۔ جس کمبل پر وہ لیٹی ہوئی تھی اس پر خون کے بڑے بڑے دھبے پڑے تھے۔

جب دن نمودار ہوا تو لڑکی کا باپ اور چاچا خون کی لکیر کے تعاقب میں چل پڑے۔ بھینسوں کے اوپر سے ہو کر یہ لکیر پہاڑی کے نیچے چلی گئی تھی جہاں چند گز دور چیتے نے اپنے شکار کا صفایا کر دیا تھا۔

"صاحب! میرا بھائی منحوس ستارے کے سائے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں' اس کی یہی ایک لڑکی تھی۔ جس کی جلد ہی شادی ہونے والی تھی۔ اس شادی سے میرا بھائی اپنی جائداد کا وارث حاصل کرنا چاہتا تھا مگر چیتے نے یہ امید بھی ختم کر دی۔"

میں ایسے کئی واقعات بیان کر سکتا ہوں۔ ہر واقعہ اپنے پہلو میں ایک المناک داستان لئے ہوئے ہے۔ لیکن میرے خیال میں اب آپ کو یقین آ گیا ہو گا کہ گھڑوال کے لوگ رودر پریاگ کے آدم خور چیتے سے اس قدر کیوں ہراساں تھے' خاص طور پر جب یہ بات دھیان میں رکھی جائے کہ گھڑوالی بے حد توہم پرست ہوتے ہیں چیتے کے خوف کے علاوہ ان پر مافوق الفطرت قسم کا ایک خوف بھی سوار تھا۔ جس کی ایک مثال میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

ایک صبح جب سورج ابھی طلوع ہو رہا تھا میں رودر پریاگ کے معائنہ بنگلے سے باہر نکلا۔ جونہی میں برآمدے سے باہر نکلا' مجھے زمین پر چیتے کے پنجے کے نشان دکھائی دیئے۔

وہ نشان بالکل تازہ تھے۔ چیتا مجھ سے فقط چند منٹ پہلے شکار حاصل کرنے کی ناکام کوشش کر کے لوٹ گیا تھا۔ وہ یاترا سڑک کی جانب گیا تھا جو وہاں سے پچاس گز دور تھی۔

سخت زمین کے سبب بنگلے اور سڑک کے درمیان چیتے کے پنجوں کے نشان تلاش کرنا مشکل تھا۔ لیکن میں جونہی بیرونی گیٹ کی سمت گیا وہاں سے پنجوں کے نشان گلاب رائے کی سمت جا رہے تھے۔ نشان اس قدر واضح تھے کہ جیسے تازہ تازہ گری ہوئی برف پر ثبت ہوں۔

اس وقت تک میں آدم خور کے پنجوں کے نشانات سے بخوبی واقف ہو چکا تھا اور انہیں سینکڑوں چیتوں کے پنجوں کے نشانوں میں سے پہچان سکتا تھا۔

درندوں کے پنجوں کے نشانات سے بہت سی معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً وہ نر ہے کہ مادہ' کتنی عمر کا ہے اور کس سائز کا ہے۔ میں اس سے پہلے ان پنجوں کے نشانات کا بغور معائنہ کر کے اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ ایک بڑا چیتا تھا جو عرصہ ہوا شباب کی منزلوں سے گزر چکا تھا۔

اس کے پنجوں کے نشانات کا تعاقب کرتے ہوئے مجھے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھ سے فقط چند منٹ آگے تھا۔ اور وہ ست رفتار سے چل رہا تھا۔

یہ سڑک جس پر صبح کے وقت آمدورفت نہیں ہوتی' کئی ندی نالوں پر سے بل کھا کے گزرتی ہے۔ چیتا دن کی روشنی میں باہر نہیں نکلتا۔ لیکن میں ڈرتا تھا کہ کہیں وہ اس اصول کی خلاف ورزی کر کے آس پاس گھات میں نہ بیٹھا ہو۔ لہٰذا میں ہر موڑ سے بڑی احتیاط سے گزرتا۔ آخر ایک میل چل کر چیتا سڑک سے الگ ہو کر ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گیا تھا۔

جہاں چیتا سڑک سے جدا ہوا تھا وہاں سے ایک سو گز دور ایک چھوٹا سا کھیت تھا جس کے درمیان بکریوں اور بھیڑوں کا ایک ریوڑ کھڑا تھا۔ ریوڑ کے مالک نے ریوڑ کے گرد خار دار جھاڑیوں کی باڑھ باندھ رکھی تھی۔

اس ریوڑ کا مالک ایک بوڑھا گلہ بان تھا۔ جو گزشتہ ایک چوتھائی صدی سے بکریوں کا کاروبار کر رہا تھا۔ جب میں کھیت میں داخل ہوا تو وہ باڑھ کا دروازہ ہٹانے میں مصروف تھا۔ میرے استفسار کے جواب میں اس نے کہا کہ اس نے چیتا تو نہیں دیکھا تھا مگر جب پو پھٹ رہی تھی تو اس کے دو نگران کتے زور زور سے ضرور بھونکے تھے اور سڑک کے اوپر جنگل میں سے ایک ٹکر کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

میں نے بوڑھے گلہ بان سے دریافت کیا کہ کیا وہ اپنی کوئی بکری فروخت کرنے پر تیار تھا تو اس نے مجھ سے بکری خریدنے کا مقصد دریافت کیا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں وہ بکری آدم خور کے لئے جنگل کے کنارے پر باندھنا چاہتا تھا تو وہ کھلے کھیت سے گزر کر سڑک کے کنارے آ گیا' اور میرا ایک سگریٹ قبول کر کے سر راہ بیٹھ گیا۔

ہم چند لمحوں تک سگریٹ پیتے رہے۔ اس نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہ دیا تھا۔ پھر بوڑھا خود بخود بولنے لگا۔

"صاحب! آپ بلاشبہ وہی شخص ہیں جس کا ذکر بدری ناتھ کے نزدیک اپنے گاؤں میں نے چند روز پہلے سنا تھا۔ مجھے اس بات سے دکھ ہوتا ہے کہ آپ ایک بے مقصد کام کی خاطر اپنے گھر سے اتنی دور یہاں آئے ہیں۔ وہ بدروح جو اس علاقے میں اتنی

ساری انسانی جانوں کی ہلاکت کی ذمہ دار ہے' کوئی درندہ نہیں' جیسا کہ آپ کا خیال ہے۔ نہ ہی آپ اسے گولی یا کسی ایسے دوسرے ذریعے سے ہلاک کر سکتے ہیں جسے آپ سے پہلے بہت سے لوگ آزما چکے ہیں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ یہ واقعہ مجھے میرے باپ نے سنایا تھا جس کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے کہ اس نے کبھی جھوٹ نہ بولا تھا۔

اس وقت میرا باپ نوجوان تھا اور میں ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔ آجکل جیسی ایک بدروح ہمارے گاؤں میں آ نکلی ہر ایک یہی کہتا کہ وہ ایک چیتا تھا۔ مرد' عورتیں اور بچے گھروں کے اندر ہلاک ہونے لگے۔ آجکل کی طرح اسے بھی ہلاک کرنے کی ہر کوشش کی گئی۔ پنجرے رکھے گئے اور نامور شکاری چیتے پر گولیاں چلاتے رہے۔ مگر جب ساری جدوجہد ناکام ثابت ہوئی تو لوگوں پر بڑی دہشت چھا گئی۔ کوئی رات کے وقت گھر سے نکلنے کی جرات نہ کرتا۔

آخر ایک دن ہمارے گاؤں کے نمبردار اور گرد و نواح کے دیہات کے نمبرداروں نے لوگوں سے کہا کہ وہ ایک پنچایت میں شرکت کریں۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو پنچ نے لوگوں سے کہا کہ وہ آدم خور چیتے سے نجات حاصل کرنے کی خاطر کوئی نیا طریقہ سوچنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ پھر ایک بوڑھا جس کے پوتے کو گزشتہ شب آدم خور چیتا ہلاک کر گیا تھا اور جس کی چتا کو آگ لگا کر وہ ابھی ابھی واپس آیا تھا' اٹھا اور کہنے لگا کہ یہ کسی چیتے کا کام نہ تھا کہ اس کے گھر میں گھس کر اس کے پہلو میں سوئے ہوئے پوتے کو اٹھا کر لے جائے بلکہ یہ تو انہیں میں سے کوئی شخص تھا جسے جب انسانی گوشت اور خون کی اشتہا ہوتی تو وہ چیتے کا روپ دھار لیتا اور ایسا شخص گولی وغیرہ سے ہرگز ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ اسے اس سادھو پر شک تھا جو شکستہ مندر کے قریب ایک جھونپڑی میں رہتا تھا۔

اس پر لوگوں نے بڑا ہنگامہ بپا کیا۔ بعض کہتے تھے کہ پوتے کے غم میں بوڑھے کا دماغ چل گیا تھا۔ لیکن بعض لوگ اس کی یہ بات صحیح سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے سادھو اس گاؤں میں آیا تھا انسانی ہلاکتوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ انہوں نے لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ انسانی ہلاکت کے اگلے دن سادھو سارا دن دھوپ میں پاؤں پھیلائے بڑے مزے سے خمار کی حالت میں لیٹا رہتا تھا۔

جب ہجوم کا مزاج ذرا اعتدال پر آیا تو اس مسئلے پر طویل بحث ہوئی اور آخر پنچایت نے فیصلہ کیا کہ فوری طور پر سادھو کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے بلکہ آئندہ سادھو کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھی جائے۔ پھر ہجوم کو تین پارٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلی پارٹی اس رات سے اپنی نگرانی کا کام شروع کرے جس رات اگلی انسانی ہلاکت متوقع ہو کیونکہ انسانی ہلاکتیں ایک باقاعدہ وقفے کے بعد وقوع پذیر ہوتی تھیں۔

پروگرام کے مطابق پہلی دو پارٹیاں باری باری نگرانی کا فرض ادا کرتی رہیں مگر سادھو اپنی جھونپڑی سے باہر نہ نکلا۔

میرا والد تیسری پارٹی میں شامل تھا۔ رات کے وقت وہ خاموشی سے سادھو کی کٹیا کے قریب چھپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جھونپڑی کا دروازہ آہستہ سے کھلا' سادھو اندر سے نکلا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ پھر کچھ وقفے بعد پہاڑوں کی طرف سے کوئلہ بنانے والے مزدوروں کے جھونپڑوں میں سے ایک دلدوز چیخ ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی آئی اور پھر بدستور خاموشی چھا گئی۔

میرے والد کی پارٹی کے دوسرے لوگوں میں سے کسی ایک نے اس رات پلک تک نہ جھپکی۔ جب مشرق میں خاکستری پو پھٹ رہی تھی تو انہوں نے سادھو کو تیز تیز قدموں کٹیا کی طرف آتے دیکھا اس کا منہ اور ہاتھ خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔

جب سادھو نے جھونپڑی کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تو میرا والد اور دوسرے لوگ دبے پاؤں وہاں گئے اور انہوں نے باہر سے دروازے کی زنجیر چڑھا دی۔ پھر سب مل کر خشک گھاس کے بڑے بڑے گٹھے لائے اور انہیں جھونپڑی کے گرد چن دیا گیا۔ جب سورج نمودار ہوا تو جھونپڑی جل کر راکھ ہو چکی تھی۔ اس دن سے انسانی

ہلاکتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

لیکن اس علاقے کے بہت سے سادھوؤں میں سے ابھی کسی پر شک نہیں ہوا۔ اگر کسی پر شک ہو گیا تو وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا جو میرے والد کے زمانے میں لوگوں نے اختیار کیا تھا۔ جب تک وہ دن نہیں آتا گھڑوال کے لوگوں کو جانی نقصان برداشت کرنا ہو گا۔

آپ نے مجھے بکری فروخت کرنے کے لئے کہا ہے۔ صاحب! میرے پاس فروخت کرنے کے لئے کوئی فالتو بکری نہیں۔ لیکن میری کہانی سننے کے بعد اگر آپ اب بھی آدم خور چیتے کے لئے بکری باندھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو اپنی ایک بکری ادھار دے سکتا ہوں۔ اگر یہ بکری ہلاک ہو گئی تو آپ مجھے اس کی قیمت ادا کر دیں ورنہ دوسری صورت میں ہمارے درمیان کوئی سودا بازی نہ ہو گی۔ آج کا دن اور رات میں نہیں ٹھہروں گا۔ کل صبح پو پھٹنے کے ساتھ ہی میں یہاں سے اپنا ریوڑ لے جاؤں گا۔"

سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی میں دوبارہ وہاں آیا اور بوڑھے گلہ بان کی اجازت سے میں نے اس کے ریوڑ میں سے ایک ایسی موٹی تازی بکری چن لی جو چیتے کی دو دن کی خوراک بن سکتی تھی۔ یہ بکری میں نے سڑک کے قریب جنگل کے کنارے باندھ دی جہاں بارہ گھنٹے پیشتر چیتا داخل ہوا تھا۔

اگلی صبح میں جلدی اٹھ بیٹھا۔ جب میں بنگلے سے باہر نکلا تو مجھے پھر چیتے کے پنجوں کے تازہ نشان برآمدے کے باہر دکھائی دیئے۔ بیرونی گیٹ پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ گلاب رائے کی سمت سے آیا تھا اور بنگلے کا چکر لگا کر رودر پریاگ بازار کی طرف گیا تھا۔

یہ حقیقت کہ چیتا انسانی شکار حاصل کرنے کی کوشش میں تھا' صاف ظاہر کرتی تھی کہ اسے اس بکری میں کوئی دلچسپی نہ ہو سکتی تھی۔ جو میں نے اس کے لئے مہیا کی تھی۔ وہ بکری اس نے شام ہی کو ہلاک کر دی تھی مگر اسے بالکل نہ کھایا تھا۔

"صاحب! اپنے گھر واپس چلے جائیں۔ کیوں وقت اور پیسہ ضائع کر رہے ہیں۔" بوڑھے گلہ بان نے اپنا ریوڑ ہردوار کی سمت ہانکتے ہوئے مجھے آخری نصیحت کی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس قسم کا ایک واقعہ چند برس پہلے رودر پریاگ کے قریب رونما ہوا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے اس کا انجام المناک نہ ہو سکا۔

اپنے عزیزوں اور دوستوں کی بڑھتی ہوئی ہلاکتوں سے مشتعل ہو کر لوگوں نے ایک سادھو کو پکڑ لیا۔ ان کا یقین تھا کہ وہی سادھو تمام موتوں کا ذمہ دار تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے انتقام کی آگ بجھانے میں کامیاب ہو جاتے اس زمانے میں گھڑوال کا ڈپٹی کمشنر فلپ مین دورے پر وہاں آیا ہوا تھا اور یہ خبر سنتے ہی وہاں پہنچ گیا۔ وہ بڑا تجربہ کار افسر تھا اس نے لوگوں کا بگڑا ہوا مزاج دیکھ کر ان سے کہا کہ وہ صحیح ملزم کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر سادھو کو سزا دینے سے پہلے انصاف کا تقاضا ہے کہ اس کا جرم ثابت کیا جائے۔ پھر اس نے تجویز کیا کہ سادھو کو قید کر کے دن رات اس کی نگرانی کی جائے۔ اس تجویز سے ہجوم متفق ہو گیا سات دن اور سات راتوں تک پولیس اور لوگ سادھو کی نگرانی کرتے رہے۔ آٹھویں دن صبح کے وقت یہ خبر آئی کہ وہاں سے چند میل دور گزشتہ شب آدم خور ایک گھر میں گھس کر ایک آدمی کو اٹھا لے گیا تھا۔

یہ سن کر لوگوں کو سادھو کی رہائی پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ اور کہنے لگے کہ اس دفعہ غلط آدمی پکڑا گیا تھا مگر آئندہ ایسی غلطی ہرگز نہ کریں گے۔

گھڑوال میں آدم خور کی تمام ہلاکتیں سادھوؤں اور نینی تال اور الموڑہ کے اضلاع میں ترائی کے علاقوں میں رہنے والے نجسار لوگوں سے منسوب کی جاتی ہیں۔ موخرالذکر لوگ زیادہ تر شکار پر گزر اوقات کرتے ہیں۔

لوگوں کا یقین ہے کہ سادھو انسانی گوشت اور خون کی اشتہا کے سبب اور نجسار عورتوں کے زیورات کی وجہ سے انسانی جانیں لیتے ہیں۔ نینی تال اور الموڑہ کے اضلاع میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ ہلاک ہوتی ہیں مگر اس کی یہ وجہ نہیں جو لوگ بیان کرتے ہیں۔

میں اس قدر تنہا اور خاموش جگہوں پر رہا ہوں کہ خیال پرست نہیں ہو سکتا۔

رودر پریاگ میں ایسے مواقع بھی آئے جب میں متواتر کئی کئی راتیں' ایک دفعہ مہینے میں اٹھائیس راتیں' آدم خور کی تلاش میں پلوں' چوراہوں' دیہات کے گرد و نواح میں گھومتا رہا اور انسانی اور دوسری لاشوں کے قریب چھپ کر بیٹھا آدم خور کا انتظار کرتا رہا تھا۔ اس زمانے میں ممکن تھا کہ میں آدم خور کو کوئی ایسا جانور تصور کرنے لگوں جس کا دھڑ چیتے کا مگر سر شیطان کا ہو۔

بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ کوئی درندہ شب بھر میری گھات میں بیٹھا رہتا۔ مجھے بار بار اس کے شیطانی قہقہے سنائی دیتے۔ وہ مجھے جل دینے کی فکر میں ہوتا اور اس موقع کی تاک میں رہتا کہ جونہی میں ذرا بے خبر ہو جاؤں تو وہ اپنے دانت میری گردن میں گاڑ دے۔

ممکن ہے یہ سوال آپ کے ذہن میں ابھرے کہ اس سارے عرصے میں حکومت نے گھڑوال کے باشندوں کو آدم خور سے بچانے کے لئے کیا کیا تھا؟ میں حکومت کا حاشیہ بردار نہیں ہوں۔ لیکن اس علاقے میں دس ہفتے گزارے' سینکڑوں میل پیدل سفر کرنے اور متاثرہ علاقے کے بہت سے دیہات کا جائزہ لینے کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس دردِ سر کو دور کرنے کی خاطر حکومت نے اپنی طرف سے حتی الامکان کوشش کی۔ انعامات پیش کئے گئے۔ یہ انعامات دس ہزار روپے نقد اور دو دیہات کی جاگیر پر مشتمل تھے۔ یہ انعامات گھڑوال کے چار ہزار لائسنس یافتہ شوقین اور پیشہ ور شکاریوں کو آدم خور کو ہلاک کرنے کی ترغیب دینے کے لئے کافی تھے۔ گھاگ پیشہ ور شکاری تنخواہوں پر بلائے گئے اور آدم خور کو ہلاک کرنے کی صورت میں انہیں خاص انعامات دینے کا وعدہ بھی کیا گیا۔ بندوقوں کے تین مزید لائسنس جاری کئے گئے۔ لینس ڈاؤن میں مقیم گھڑوال رجمنٹ کے سپاہیوں کو چھٹی پر گھر جانے کے وقت رائفل ساتھ لے جانے کی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ ان کے افسر انہیں شکاری بندوقیں بھی مہیا کرتے۔ تمام ہندوستان کے شکاریوں سے درخواست کی گئی کہ وہ اس چیتے کو ہلاک کرنے میں حکومت کی مدد کریں۔ دیہات اور سڑکوں کے کنارے بہت سے ایسے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پنجرے رکھے گئے جن کے دروازے خود بخود بند ہو جاتے تھے۔ ان پنجروں میں بکریاں وغیرہ چیتے کو ترغیب دینے کے لئے باندھی جاتیں۔ پٹواریوں اور سرکاری ملازموں کو اس مقصد کے تحت زہر مہیا کیا گیا کہ وہ انسانی لاش کو زہریلا بنا دیں۔ اس کے علاوہ سرکاری ملازم بھی آدم خور کو ہلاک کرنے کی خاطر اپنے فرض کی ادائیگی کے طور پر وہاں آتے۔

ان تمام مشترکہ مساعی کا نتیجہ فقط یہ نکلا کہ ایک دفعہ چیتے کے پچھلے بائیں پنجے میں ایک گولی لگ گئی اور وہاں سے اس کا گوشت اڑ گیا۔ گھڑوال کے ڈپٹی کمشنر نے اس مد کا اندراج اپنے رجسٹر میں کر دیا۔ جہاں تک زہر کا تعلق ہے' آدم خور زہریلی چیزیں کھانے کے بعد بھی زندہ رہا تھا۔

ایک سرکاری رپورٹ میں تین دلچسپ واقعات درج کئے گئے ہیں۔ میں ان کے اقتباس آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

پہلا: اخبارات میں حکومت کی درخواست پر 1921ء میں دو نوجوان انگریز شکاری ردر پریاگ پہنچے۔ کس وجہ کی بنا پر انہوں نے یہ تصور کر لیا تھا کہ چیتا دریا سے اٹک نندہ کے ایک کنارے سے دوسرے کنار جھولا نما پل کے راستے آتا جاتا ہے' اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال انہوں نے اپنی کوشش کو اس پل تک محدود رکھنے کا فیصلہ کر لیا ان کا منصوبہ تھا کہ اگر رات کے وقت چیتا پل پر سے گزرے تو اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے۔ پل کے دونوں جانب ایک ایک مینار ہے لہٰذا دونوں شکاری پل کی طرف منہ کر کے ایک ایک مینار میں بیٹھ گئے۔

انہیں وہاں بیٹھتے دو ماہ گزر گئے۔ ایک رات بائیں کنارے والے مینار پر بیٹھے شکاری نے دیکھا کہ چیتا اس کے نیچے والی محراب سے پل کی سمت جا رہا ہے جب چیتا اچھی طرح پل پر آ گیا تو اس نے گولی چلا دی۔ جب چیتا بھاگ کر پل کی دوسری جانب گیا تو دوسرے شکاری نے اس پر تابڑ توڑ چھ فائر کر دیئے۔ اگلی صبح پل پر خون کے قطرے دکھائی دیئے۔ خون کی لکیر پہاڑی کی سمت جاتی تھی۔ خیال تھا کہ یہ زخم چیتے کے لئے مہلک ثابت ہوں گے۔ لہٰذا کئی دن تک ایک تلاشی پارٹی چیتے کو تلاش کرتی

رہی۔ رپورٹ میں درج ہے کہ زخمی ہونے کے چھ ماہ بعد تک چیتے نے کوئی انسانی شکار نہ کیا تھا۔

یہ واقعہ ان لوگوں نے بھی مجھے بتایا جنہوں نے ساتوں فائر سنے تھے اور جو زخمی چیتے کی تلاش میں مدد دیتے رہے تھے۔ دونوں شکاریوں اور دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ پہلی گولی چیتے کی پشت پر لگی تھی اور باقی گولیوں میں سے کوئی ایک اس کے سر پر۔ اس لئے اتنے جوش و خروش سے چیتے کی تلاش جاری رہی۔ خون کی لکیر کی جو تفصیل مجھے بتائی گئی اس سے میں نے یہ اندازہ کیا تھا کہ شکاری یہ سوچنے میں غلطی پر تھے کہ گولیاں چیتے کے سر اور پشت پر لگی تھیں۔ اس کے برعکس جس نوعیت کی خون کی لکیر بتائی گئی تھی تو وہ تو پیر کے زخم کی ہونی چاہئے تھی۔ بعد میں میرا یہ خیال درست ثابت ہوا۔ بائیں مینار والے شکاری کی گولی چیتے کے پاؤں میں لگی تھی اور دوسرے شکاری کی تمام گولیاں ضائع گئی تھیں۔

دوسرا: پنجروں میں تقریباً بیس چیتے پکڑنے اور ہلاک کرنے کے بعد آخر ایک پنجرے میں ایک ایسا چیتا پکڑ لیا گیا جس کے متعلق ہر ایک یہی کہتا تھا کہ وہ آدم خور تھا۔ لیکن ہندو آبادی اس خوف کے تحت اسے ہلاک نہ کرتی تھی کہ آدم خور کے مارے ہوئے لوگوں کی روحیں بددعائیں دیں گی۔ آخر ایک عیسائی کو وہاں بھیجا گیا۔ یہ عیسائی تیس میل دور ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ لیکن اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی چیتا پنجرے کے نیچے سے زمین کھود کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

تیسرا: ایک آدمی کو ہلاک کرنے کے بعد چیتا اپنے شکار کے ہمراہ جنگل میں ایک تنہا جگہ پر لیٹ گیا۔ دوسری صبح جب اس بدنصیب شخص کی تلاش جاری تھی تو چیتا جنگل میں سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ تھوڑے سے تعاقب پر وہ ایک غار میں گھس گیا۔ لوگوں نے خار دار جھاڑیوں اور بھاری پتھروں سے غار کا منہ بند کر دیا۔ ہر روز لوگوں کا ایک ہجوم وہاں جاتا۔ پانچویں دن جب کوئی پانچ سو آدمی جمع تھے تو ایک آدمی جس کا نام درج نہیں لیکن اسے "بااثر آدمی" لکھا گیا ہے وہاں آیا اور ناک بھوں چڑھا کر کہنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لگا۔ "غار کے اندر کوئی چیتا نہیں" اور اس نے غار کے منہ پر سے جھاڑیاں اور پتھر ہٹا دیئے۔ جونہی غار کا دہانہ صاف ہوا چیتا آرام سے پانچ سو آدمیوں کے درمیان سے گزر گیا۔

چیتے کو آدم خور بنے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ یہ واقعات رونما ہوئے۔ اگر چیتا پل پر' پنجرے کے اندر یا غار میں مارا جاتا تو چند سو آدمیوں کی جانیں بچ جاتیں اور گھڑوال کئی برس تک ایک محفوظ جگہ ہوتا۔

○

آمد

1925ء میں نینی تال کے شیلٹ تھیٹر میں "یومین آف دی گارڈ" ڈرامہ سٹیج کیا جا رہا تھا۔ ایک رات جب میں وہ ڈرامہ دیکھنے گیا تو اس کے وقفوں کے دوران پہلی مرتبہ مجھے رودر پریاگ کے آدم خور کے متعلق کوئی معتبر خبر ملی۔

میں نے سرسری طور پر سن رکھا تھا کہ گھڑوال میں کوئی آدم خور چیتا ہے۔ میں نے اخبارات میں اس کے متعلق خبریں بھی پڑھی تھیں۔ لیکن یہ جانتے ہوئے کہ گھڑوال میں چار ہزار سے زیادہ لوگوں کے پاس بندوقوں کے لائسنس ہیں اور لانس ڈاؤن میں بھی کئی ایک مشاق شکاری ہیں' میرا خیال تھا کہ شکاری آدم خور کو ہلاک کرنے کی دوڑ میں ایک دوسرے پر گر رہے ہوں گے اور ایسے حالات میں کسی اجنبی کو خوش آمدید نہ کہا جائے گا۔

اس رات میں شیلٹ بار میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بادہ نوشی میں مشغول تھا کہ مجھے مائیکل کین کی آواز سنائی دی۔ اس زمانے میں وہ متحدہ صوبجات کے چیف سیکرٹری تھے مگر بعد میں آسام کے گورنر مقرر ہو گئے تھے۔ وہ آدمیوں کے ایک گروپ کو آدم خور کے متعلق کچھ بتا رہے تھے اور انہیں وہاں جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ لیکن ان کی باتوں پر سامعین نے کچھ زیادہ توجہ نہ دی۔ ان میں سے ایک نے کہا "ایسے آدم خور کے پیچھے جانا کہاں کی دانائی ہے جس نے سو سے زیادہ انسان ہلاک کر دیئے ہوں۔" دوسروں نے بھی اس کی تصدیق کی۔

دوسرے دن میں مائیکل کین کے پاس گیا اور ان سے ضروری معلومات حاصل کیں۔ وہ مجھے صحیح طور پر نہ بتا سکے کہ آدم خور کس علاقے میں سرگرم عمل تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انہوں نے مجھے رودر پریاگ جانے اور ایبٹ سن سے ملنے کے لئے کہا۔ جب میں گھر آیا تو میرے میز پر ایبٹ سن کا خط پڑا تھا۔

ایبٹ سن جو اب سر ولیم ایبٹ سن ہیں۔ ان دنوں گھڑوال میں نئے نئے ڈپٹی کمشنر بن کر گئے تھے۔ وہ سب سے پہلے اپنے ضلع کو آدم خور سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مجھے خط لکھا تھا۔

میں نے جلدی سے تیاری مکمل کر لی اور رانی کھیت' ادبا دری اور کرن پریاگ کے راستے سے ہوتا ہوا دسویں دن نگراسو کے قریب ایک بنگلے میں پہنچ گیا۔ نینی تال سے رخصت ہوتے وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ اس بنگلے میں ٹھہرنے کے لئے اجازت نامے سے لیس ہونا ضروری تھا۔ چونکہ بنگلے کے نگران کو ہدایت تھی کہ ایسے اجازت نامے کے بغیر کسی کو بنگلے میں نہ ٹھہرنے دے۔ لہٰذا میں اور میرے سات آدمی رودر پریاگ سڑک پر مزید دو میل کا سفر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آخر ہمیں ایک مناسب جگہ مل گئی جہاں ہم کیمپ لگا کر رات بسر کر سکتے تھے۔

جب میرے آدمی پانی اور لکڑیاں وغیرہ لانے میں مصروف تھے تو میں نے ایک کلہاڑی لی اور کیمپ کے گرد حفاظت کی خاطر خار دار جھاڑیوں کی باڑ باندھنے کی خاطر جنگل کی طرف جھاڑیاں کاٹنے چل پڑا۔ ہمیں دس میل دور ہی بتا دیا گیا تھا کہ ہم آدم خور کے علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔

جب ہم نے شام کا کھانا پکانے کے لئے آگ روشن کی تو ہمیں پہاڑ کی سمت سے کسی گاؤں سے ایک آدمی کی تیز آواز سنائی دی۔ وہ ہم سے پوچھ رہا تھا کہ ہم وہاں کیا کر رہے تھے۔ پھر اس نے ہمیں تنبیہہ کی کہ اگر ہم وہیں رہے تو ہم میں سے کوئی نہ کوئی آدم خور کا شکار ہو جائے گا۔ یہ اقدام اس نے اپنی جان پر کھیل کر کیا تھا کیونکہ اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا اور کوئی شخص ایسے میں گھر سے نکلنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ لیکن مادھو سنگھ نے مجھ سے کہا۔

"صاحب! ہم یہیں رات بسر کریں گے۔ ہماری لالٹین میں رات بھر جلنے کے لئے

تیل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی رائفل بھی تو ہے۔"

واقعی لالٹین میں رات بھر جلنے کے لئے تیل تھا کیونکہ صبح جب ہم بیدار ہوئے تو وہ جل رہی تھی اور میری رائفل میرے سرہانے پڑی تھی۔ دس دن کے سفر سے ہم سخت تھک گئے تھے اور اگر اس رات چیتا وہاں آ نکلتا تو آسانی سے انسانی شکار حاصل کر سکتا تھا۔

اگلے دن ہم رودر پریاگ پہنچ گئے۔ ایبٹ سن اور لوگوں نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحقیق

رودر پریاگ میں میں نے جو دس ہفتے گزارے ان کی روزمرہ رپورٹ میں آپ کے سامنے بیان نہیں کروں گا۔ کیونکہ اتنا عرصہ گزر جانے پر مجھے اس قدر تفصیلات یاد نہیں رہیں اور پھر آپ انہیں پڑھ کر بور ہو جائیں گے۔ میرا یہ بیان فقط چند واقعات تک محدود ہو گا۔ جو بعض اوقات مجھے تنہا اور کبھی ایبٹ سن کی رفاقت میں پیش آئے۔ لیکن یہ واقعات بیان کرنے سے پہلے میں اس علاقے کا خاکہ میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں آٹھ برس تک آدم خور چیتا دہشت بنا رہا اور جہاں میں نے اسے شکار کرنے کے لئے دس ہفتے بسر کئے۔

اگر آپ رودر پریاگ کے مشرق میں واقع ایک پہاڑی پر کھڑے ہو جائیں تو آپ کو اس پانچ سو مربع میل علاقے کا زیادہ حصہ دکھائی دے گا۔ جہاں رودر پریاگ کا آدم خور سرگرم عمل تھا۔ دریائے الک نندہ نے یہ علاقہ کم و بیش دو برابر حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ دریائے الک نندہ کرن پریاگ سے گزر کر رودر پریاگ کے جنوب میں بہتا ہے۔ جہاں وہ شمال مغرب سے آنے والے دریائے منڈاکنی سے مل جاتا ہے۔ ان دو دریاؤں کے درمیان پھیلا ہوا چوکور سا رقبہ اس علاقے کی نسبت کم پہاڑی ہے جو دریائے الک نندہ کے بائیں کنارے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اول الذکر علاقے میں زیادہ دیہات ہیں۔

اس پہاڑی پر سے آپ کو دور سرسبز کھیتوں کا ایک سلسلہ دکھائی دے گا۔ جسے پہاڑوں کے چہرے پر کسی نے سبز لکیر کھینچ دی ہو۔ یہ کھیت ایک گز سے پچاس گز تک چوڑے ہیں۔ آپ دیکھیں گے دیہاتی مکان کھیتوں کے بالائی حصے پر واقع ہیں۔ اس کی

یہ وجہ ہے کہ مویشیوں اور دوسرے جنگلی جانوروں سے فصلوں کو بچایا جا سکے۔ کیونکہ اونچی جگہ سے فصلوں کی بخوبی رکھوالی ہو سکتی ہے۔ کھیتوں کے گرد کسی قسم کی حفاظتی باڑ نہیں ہوتی۔ دور بھورے اور سبز رنگ کے جو خطے دکھائی دیتے ہیں وہ جنگل اور چراگاہیں ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ بعض دیہات تو مکمل طور پر چراگاہوں اور بعض مکمل طور پر جنگلوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ سارا علاقہ بڑا ناہموار ہے اور ہر جگہ ندیاں اور پتھریلی چٹانیں ہیں۔ اس علاقے میں فقط دو سڑکیں ہیں۔ ایک رودر پریاگ سے شروع ہو کر کیدار ناتھ تک اور دوسری بدری ناتھ تک جاتی ہے۔ اس زمانے میں یہ دونوں سڑکیں بڑی تنگ اور ناہموار تھیں اور ان پر کسی قسم کی گاڑی وغیرہ نہ چل سکتی تھی۔

ذرا فرض کر لیں کہ کھیتوں سے گھرے ہوئے دیہات کی نسبت جنگلات سے گھرے ہوئے دیہات میں آدم خور نے زیادہ انسانی ہلاکتیں کی ہوں گی۔ اگر آدم خور شیر ہوتا تو یقیناً ہمارا یہ مفروضہ صحیح ثابت ہوتا۔ لیکن آدم خور چیتا جو زیادہ تر رات کے وقت اپنا شکار تلاش کرتا ہے۔ اس کے لئے کسی قسم کی پناہ گاہ کا ہونا یا نہ ہونا ایک جیسا ہے۔ ایک گاؤں میں دوسرے گاؤں کی نسبت زیادہ انسانی ہلاکتوں کی صرف یہ وجہ ہے کہ بعض گاؤں والے آدم خور سے باخبر رہتے تھے اور دوسرے قدرے تساہل برتتے تھے۔

میں پہلے آپ کو بتا چکا ہوں کہ آدم خور ایک بڑا چیتا تھا جو جوانی کے دن گزار چکا تھا لیکن بوڑھا ہونے کے باوجود وہ بڑا طاقتور تھا۔ کوئی درندہ جس جگہ اپنا شکار آرام سے کھا سکے اور اسے مداخلت کا خطرہ نہ ہو وہ عموماً اس علاقے میں شکار بھی کرتا ہے۔ رودر پریاگ کے آدم خور کے لئے تمام جگہیں ایک جیسی تھیں کیونکہ وہ اپنا شکار اٹھا کر دور دور تک لے جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ایک دفعہ وہ ایک آدمی کو اٹھا کر چار میل تک لے گیا تھا۔ یہ شخص بڑا تندرست اور فربہ اندام تھا اور چیتے نے اسے اس کے گھر میں ہلاک کیا تھا۔ چیتا اسے اٹھا کر دو میل تک گھنے اور دشوار گزار جنگل میں لے گیا۔ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے ایسا کیوں کیا' اس کی بظاہر مجھے کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ چیتے نے شام سے تھوڑی دیر بعد اس شخص کو ہلاک کیا تھا۔ اور دوسرے دن دوپہر کے وقت ایک تلاشی پارٹی اس کے کھوج میں نکلی تھی۔

آدم خور چیتے کی سالانہ انسانی ہلاکتیں

1918ء	-------	1
1919ء	-------	3
1920ء	-------	6
1921ء	-------	23
1922ء	-------	24
1923ء	-------	26
1924ء	-------	20
1925ء	-------	8
1926ء	-------	14

آدم خور چیتوں کے سوا دوسرے چیتوں کا شکار کرنا بڑا آسان ہے کیونکہ ان میں سونگھنے کی حس نہیں ہوتی۔

کسی دوسرے جانور کا شکار کرنے میں جو طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان سے کہیں زیادہ طریقے چیتے کے شکار میں استعمال ہوتے ہیں۔ محض شکار کے لئے جو چیتے ہلاک کئے جاتے ہیں الگ اور نفع کی غرض سے ہلاک کئے جانے والے چیتوں کے لئے دوسرے طریقے استعمال ہوتے ہیں۔ شکار کی خاطر چیتے کو ہلاک کرنے کا سب سے دلچسپ اور ولولہ انگیز یہ طریقہ ہے کہ جنگل میں چیتے کو تلاش کر کے اس پر گولی چلائی جائے۔ لیکن سب سے آسان اور ظالمانہ طریقہ یہ ہے کہ چیتے کا شکار تلاش کر کے اس کے اندر ایک چھوٹا سا مگر تباہ کن بم رکھ دیا جائے۔ بہت سے دیہاتی ایسے بم بنانے سیکھ

گئے ہیں۔ جب چیتا اپنا شکار کھانے کے لئے دوبارہ آتا ہے اور بے دھیانی میں اس کا دانت اس بم سے ٹکرا جاتا ہے تو چیتے کا جبڑا اڑ جاتا ہے۔ بعض اوقات چیتا فوراً" مرجاتا ہے مگر اکثر ایسا چیتا آہستہ آہستہ بڑی تکلیف دہ موت مرتا ہے کیونکہ بم رکھنے والے لوگوں میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ چیتے کا تعاقب کر کے اسے ختم کر سکیں۔

چیتوں کا کھوج لگانا اور شکار کرنا دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ آسان بھی ہے۔ چیتوں کے پاؤں بڑے نازک ہوتے ہیں وہ حتی الامکان عام راستوں پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر جنگل میں پرندے اور دوسرے جانور بھی ان کی موجودگی کی غمازی کر دیتے ہیں۔ اگرچہ چیتوں کی قوت باصرہ اور قوت سامعہ بے حد تیز ہوتی ہے مگر ان میں سونگھنے کی حس نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہوا خواہ کس سمت میں چل رہی ہو شکاری کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور وہ انہیں شکار کرنے کا کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ چیتے جتنا خوبصورت اور بارعب کوئی دوسرا جانور نہیں ہوتا۔ اسے دیکھنے میں بڑا لطف آتا ہے۔

○

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہلا انسانی شکار

رودر پریاگ میں میری آمد سے کچھ دن پہلے ایبٹ سن نے ایک "ہانکا" منظم کیا تھا وہ ہانکا کامیاب ہو جاتا تو پندرہ انسانی جانیں بچ جاتیں۔ یہ ہانکا جن حالات میں منظم کیا گیا وہ قابل ذکر ہیں۔

بدری ناتھ جانے والے بیس یاتری ایک شام کو سڑک کے کنارے ایک دکان پر پہنچے۔ جب یاتریوں نے دکان سے ضروری اشیاء خرید لیں تو دکان دار نے ان سے کہا کہ وہ جلدی کریں اور وہاں سے چار میل دور ایک آشرم میں پہنچنے کی کوشش کریں جہاں انہیں کھانا اور رات گزارنے کے لئے جگہ مل جائے گی۔ یاتری ان کی بات ماننے پر تیار نہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ دن بھر کے سفر سے تھک چکے ہیں۔ اور اب مزید چار میل چلنے کی سکت نہیں رکھتے۔ انہوں نے دکاندار سے درخواست کی کہ وہ انہیں دکان کے تھڑے پر کھانا وغیرہ پکانے اور وہیں سونے کی اجازت دے دے۔ اس بات پر دکاندار نے شدید اعتراض کیا۔ اس نے یاتریوں کو بتایا کہ آدم خور اکثر اس کے گھر کا چکر لگاتا رہتا تھا اور باہر سونا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔

ان میں تکرار زوروں پر تھی کہ ایک سادھو وہاں آ پہنچا وہ متھرا سے بدری ناتھ جا رہا تھا۔ وہ بھی یاتریوں کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ اس نے کہا کہ اگر وہ دکان دار پارٹی کی عورتوں کو سونے کے لئے اندر جگہ مہیا کر دے تو وہ بھی دوسرے آدمیوں کے ساتھ باہر تھڑے پر سو جائے گا اور اگر کسی چیتے وغیرہ نے انہیں تنگ کرنے کی جرات کی تو وہ جبڑے سے پکڑ کر اسے دو حصوں میں چیر دے گا۔

ناچار دکاندار کو ان کی بات ماننی پڑی۔ عورتیں تو سونے کے لئے دکان کے عقب

میں چلی گئیں مگر مرد تھڑے پر بستر بچھا کر لیٹ گئے۔ سادھو ان کے درمیان میں لیٹا تھا۔

تھڑے پر سوئے ہوئے یاتری جب صبح کو بیدار ہوئے تو انہیں اپنے درمیان سادھو نظر نہ آیا۔ جس کمبل پر وہ سویا ہوا تھا وہ گچھا مچھا پڑا تھا اور جو چادر اس نے اپنے جسم کے گرد لپیٹ رکھی تھی وہ تھڑے سے نیچے لٹک رہی تھی۔ اور اس پر خون کے دھبے پڑے تھے۔ یاتریوں کے شور پر دکاندار نے دروازہ کھولا اور فوراً صورت حال سے واقف ہو گیا۔ سورج نکلنے پر دکاندار دوسرے آدمیوں کے ہمراہ خون کی لکیر کا تعاقب کرنے لگا۔ یہ لکیر پہاڑی کے نزدیک اور تین کھیتوں میں سے ہوتی ہوئی ایک پست دیوار تک جا پہنچی۔ وہاں سادھو کی ادھ کھائی لاش پڑی تھی۔

ان دنوں ایبٹ سن آدم خور کا سراغ لگانے کی کوشش میں رودر پریاگ آئے ہوئے تھے۔ ان کے قیام کے زمانے میں کوئی انسانی ہلاکت نہ ہوئی تھی لہٰذا انہوں نے دریائے الک نندہ کے دور افتادہ حصے پر ہانکا لگوانے کا ارادہ کیا۔ مقامی باشندوں کا خیال تھا کہ آدم خور دن کو اسی جگہ لیٹا رہتا تھا۔ جب بیس یاتری اس چھوٹی سی دکان کی طرف محو سفر تھے تو اس وقت ایبٹ سن کے سٹاف کے آدمی اور پٹواری گرد و نواح کے دیہات میں جا کر لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ کل صبح ہانکے کے لئے تیار ہو جائیں۔

اگلی صبح وقت سے پہلے ناشتہ کرنے کے بعد ایبٹ سن کی بیوی' ان کا ایک دوست جس کا نام میں بھول گیا ہوں' ان کا سٹاف اور دو سو کے قریب دیہاتی جھولا نما پل عبور کر کے مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور ہانکا شروع ہو گیا۔

ہانکا ابھی جاری تھا کہ کچھ لوگ بھاگم بھاگ سادھو کی موت کی خبر لے کر وہاں پہنچے۔

ہانکا ناکام ثابت ہوا۔ فوری طور پر ایک میٹنگ کی گئی۔ فیصلہ ہوا کہ ایبٹ سن اور ان کی پارٹی چار میل آگے جا کر ایک دوسرے جھولا نما پل کے ذریعے دریا کو عبور کر کے دریا کے بائیں کنارے پر پہنچیں اور وہاں سے جائے حادثہ پر آئیں۔ اس دوران

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایبٹ سن کا سٹاف دوبارہ دیہات میں جائے اور مزید لوگوں کو اس دکان پر جمع ہونے کے لئے کہے۔

دوپہر تک دو ہزار دیہاتی اور چند شکاری جمع ہو گئے۔ دکان کے اوپر والی پہاڑی پر اچھی طرح ہانکا دیا گیا۔ اگر آپ ایبٹ سن کو جانتے ہیں تو مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہانکا بہت عمدہ منظم کیا گیا تھا۔ ایبٹ سن کو محض اس لئے ناکامی ہوئی کہ چیتا اس علاقے میں موجود نہ تھا۔

جب کوئی چیتا یا شیر اپنی مرضی سے کھلی جگہ پر شکار چھوڑ جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اب اسے اپنے شکار میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کھانے سے فارغ ہونے پر شیر یا چیتا ہمیشہ دور چلا جاتا ہے۔ کبھی دو میل کبھی چار میل اور کبھی دس میل دور۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ جب ایبٹ سن اور ان کی پارٹی ہانکے میں مصروف تھی تو آدم خور وہاں سے دس میل دور نیند کے مزے لے رہا ہو۔

○

چیتے کی تلاش

آدم خور چیتے بہت کم ہوتے ہیں اس لئے ان کے متعلق زیادہ کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔

ان کے بارے میں اس وقت تک میرا اپنا تجربہ بڑا محدود تھا۔ کئی برس پہلے مجھے فقط ایک آدم خور چیتے کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگرچہ مجھے یہ شک تھا کہ آدم خور بننے کے ساتھ ہی شیر کی طرح چیتے کی عادات میں بھی فرق آ جاتا ہو گا مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ فرق کس حد تک آتا ہے۔ لہٰذا میں نے اس دوران آدم خور چیتے کو بھی عام چیتوں کی طرح ہلاک کرنے کی کوشش کی۔

چیتوں کو شکار کرنے کا عام طریقہ یہ ہے کہ یا تو ان کے شکار کے قریب چھپ کر بیٹھ جائیں یا پھر کوئی بکری وغیرہ باندھ کر چیتے کو اس کا شکار کرنے کی ترغیب دی جائے اور جب وہ اس لالچ میں وہاں آئے تو اس کا شکار کر لیا جائے۔

میرا رودر پریاگ جانے کا یہ مقصد تھا کہ مزید انسانی ہلاکتوں کو روکنے کی کوشش کی جائے لہٰذا میری یہ نیت ہرگز نہ تھی کہ کسی انسانی ہلاکت کا انتظار کروں اور پھر چیتے کو ہلاک کرنے کے لئے اس کے قریب چھپ کر بیٹھوں۔ میرا مقصد تو چیتے کو تلاش کر کے اسے ٹھکانے لگانا تھا۔

یہاں ایک بڑی مشکل مجھے درپیش تھی۔ اس علاقے کا جو نقشہ مجھے مہیا کیا گیا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ آدم خور پانچ سو مربع میل میں سرگرم عمل تھا۔ اتنے بڑے اجنبی اور غیر ہموار علاقے میں کسی ایسے درندے کو تلاش کرنا جو فقط رات کے وقت اپنی کارروائی کرتا تھا' خاصا مشکل کام تھا۔ لہٰذا سب سے پہلے میں نے دریائے الک نندہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا جو اس علاقے کو کم و بیش برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

لوگوں کا یہ عام خیال تھا کہ دریائے الک نندہ آدم خور کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہیں کرتا تھا اور جب اسے ایک حصے میں انسانی شکار نہیں ملتا تو وہ دریا میں تیر کر دوسرے حصے میں آ جاتا تھا۔

مجھے اس بات سے اختلاف تھا۔ کوئی چیتا کسی حالات میں بھی الک نندہ کے تیز رو اور برفیلے پانی میں اترنے کی کوشش نہ کر سکتا اور مجھے یقین تھا کہ آدم خور جب ایک حصے سے دوسرے حصے میں آنا چاہتا تھا تو جھولا نما پلوں کے ذریعے آتا تھا۔

اس علاقے میں دو جھولا نما پل تھے ایک رودر پریاگ میں اور دوسرا وہاں سے بارہ میل دور چٹورپی پال کے مقام پر۔ ان دو پلوں کے درمیان ایک اور پل تھا جو رسوں اور تاروں سے بنایا گیا تھا اور یہ وہی پل تھا جس پر سے کچھ عرصہ پہلے ایبٹ سن اور دو سو دیہاتی ہانکے کے موقع پر گزرے تھے۔ یہ پل جس پر سوائے کسی چوہے کے اور کوئی جانور چلنے کی جرات نہ کر سکتا تھا' اپنی ساخت اور ڈھانچے میں بے حد خوفناک تھا۔ یہ پل تعمیر ہوئے مدت گزر چکی تھی اور موسموں کے تغیر و تبدل نے رسوں' تاروں اور کڑیوں کو خستہ حال بنا دیا تھا۔ پل کے دونوں نچلے رسوں کے درمیان ایک ایک فٹ کے فاصلے پر لکڑی کے گول گول ڈنڈے لگے تھے۔ ایک رسہ قدرے ڈھیلا ہو گیا تھا۔ جس سے وہ پل 45 ڈگری کا زاویہ بنائے ہوئے تھا۔ اس پل پر سے گزرنے والوں سے کرایہ وصول کرنے کے لئے جو آدمی مقرر تھا میں نے اس سے پوچھا کہ کیا کبھی اس پل کی مرمت بھی ہوئی تھی۔ اس نے مشتبہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے جواب دیا کہ پل کی کبھی مرمت نہ ہوئی تھی۔ ہاں ایک آدمی اس پر سے گزر رہا تھا کہ وہ ٹوٹ گیا۔ اس حادثے کے بعد اس کی مرمت ہوئی تھی۔ اس کا یہ جواب سن کر میری ہڈیاں سرد ہو گئیں۔ میں خدا خدا کرتا ہوا اس پل پر سے گزرنے لگا۔ اور جب بہ حفاظت وہاں سے گزر گیا تو پل کی دہشت نے کتنی دیر تک میرا پیچھا نہ چھوڑا۔

ظاہر ہے اس پل پر سے آدم خور کا گزرنا ناممکن تھا۔ اب باقی دو جھولا نما پل تھے۔

میرا یقین تھا کہ اگر میں ان دونوں پلوں پر چیتے کی ناکہ بندی کر لوں تو اسے ایک علاقہ میں محدود کر لوں گا۔ اور اسے دریا کی دونوں جانب تلاش کرنے کے بجائے فقط ایک جانب تلاش کرنے کی کوشش کروں۔

اس صورت میں میرا پہلا کام یہ معلوم کرنا تھا کہ چیتا دریا کی کس جانب تھا سادھو کی آخری انسانی ہلاکت چٹوالی وال کے جھولا نما پل سے چند میل دور دریا کے بائیں کنارے پر واقع ہوئی تھی۔ اور مجھے یقین تھا کہ چیتا اپنا شکار چھوڑنے کے بعد پل عبور کر کے دوسری جانب چلا گیا تھا۔ کسی انسانی ہلاکت کے بعد اس علاقے کے لوگ بہت زیادہ محتاط ہو جاتے تھے جس کے پیش نظر چیتے کے لئے اسی علاقے میں دوسرے یا تیسرے دن کوئی اور شکار حاصل کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ آپ پوچھیں گے کہ پھر ایک ہی گاؤں میں چھ چھ انسانی ہلاکتیں کیوں ہوتی تھیں؟ اس کا یہی جواب ہے کہ لوگ زیادہ دیر تک محتاط نہیں رہ سکتے تھے۔ مکان چھوٹے اور آرام دہ نہیں اور پھر اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ جب ایک گاؤں کے لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ چیتا ان سے دس پندرہ میل دور ایک گاؤں میں ہے تو کوئی مرد' عورت یا بچہ چند منٹ کے لئے کسی ضروری کام سے رات کو باہر نکل جاتا اور چیتے کو وہ موقع مہیا کر دیتا جس کے لئے وہ کئی راتوں سے انتظار میں ہوتا۔ اس طرح وہ آرام سے اپنا کام کر سکتا تھا۔

○

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسرا انسانی شکار

نہ تو کوئی تصویر اور نہ ہی کوئی دوسرا ذریعہ موجود تھا جس سے میں آدم خور کے پنجوں کے نشانات کی شناخت کر سکتا۔ جب تک یہ موقع مجھے خود مہیا ہوتا میں نے رودر پریاگ کے علاقے میں تمام چیتوں کو مشتبہ قرار دینے اور اگر کوئی ہاتھ لگ جائے تو اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

رودر پریاگ پہنچتے ہی میں نے دو بکریاں خرید لیں۔ ان میں سے ایک بکری تو میں نے یاترا سڑک پر ایک میل کے فاصلے پر باندھ دی اور دوسری کو الک نندہ کی دوسری جانب لے گیا اور وہاں اسے ایک ایسے راستے پر باندھ دیا جو گھنے جنگل میں سے گزرتا تھا اور جس پر میں نے چیتے کے پنجوں کے پرانے نشان دیکھے تھے۔ دوسری صبح بکریوں کا دورہ کرنے پر معلوم ہوا کہ الک نندہ کی دوسری جانب والی بکری ہلاک ہو چکی تھی اور اس کا تھوڑا سا حصہ بھی کھایا گیا تھا بکری کو بلاشبہ چیتے نے ہلاک کیا تھا مگر اسے کسی گیدڑ وغیرہ نے کھایا تھا۔

دن کے وقت آدم خور کی کوئی خبر نہ پا کر میں نے ہلاک شدہ بکری کی نگرانی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور شام کے تین بجے بکری سے تقریباً پچاس گز دور ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے جو تین گھنٹے وہاں بسر کئے ان میں کسی جانور یا پرندے نے کوئی ہلکا سا اشارہ بھی نہ کیا۔ جس سے پتہ چل سکتا کہ چیتا گرد و نواح میں موجود تھا۔ جب اندھیرا پھیل رہا تھا تو درخت سے اتر آیا اور بکری کے گلے کا رسہ کاٹ کر جسے چیتے نے توڑنے کی کوشش نہ کی تھی' بنگلے کی سمت چل پڑا۔

میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس وقت آدم خور چیتوں کے متعلق میرا تجربہ

بڑا محدود تھا۔ مگر چند آدم خور شیروں سے میرا سامنا ضرور ہو چکا تھا۔ لہٰذا درخت سے اترنے اور بنگلے تک پہنچنے تک۔۔۔۔ یہ سارا وقت میں خود کو اچانک حملے سے بچانے کے لئے بڑا محتاط رہا اور میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے ایسا کیا تھا۔

اگلی صبح میں جلدی بنگلے سے نکل پڑا۔ جونہی میں بیرونی گیٹ کے پاس آیا مجھے باہر ایک بڑے چیتے کے پنجوں کے نشان دکھائی دیئے۔ میں الٹے قدموں ان نشانات کا تعاقب کرنے لگا۔ یہ نشان ایک ایسی ندی تک جاتے تھے جو اس راستے کو کاٹتی تھی جس کے قریب میں نے بکری باندھ رکھی تھی۔ رات بھی چیتے نے بکری کو نہ چھیڑا تھا۔

میرا تعاقب کرنے والا آدم خور چیتا ہی ہو سکتا تھا۔ اس دن مجھ سے جس قدر چلا گیا میں چلا۔ اور دیہات میں جا کر اور راستے میں لوگوں کو بتاتا رہا کہ چیتا دریا کی اس طرف ہے لہٰذا وہ محتاط رہیں۔

اس دن کوئی واقعہ رونما نہ ہوا لیکن دوسرے دن جب میں ناشتے سے فارغ ہونے والا تھا تو ایک آدمی بھاگا بھاگا میرے پاس یہ خبر لایا کہ آدم خور نے گزشتہ شب بنگلے کے اوپر والی پہاڑی کے ایک گاؤں میں ایک عورت کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ یہ وہی پہاڑی اور تقریباً وہی جگہ ہے جہاں پر کھڑے ہو کر آپ نے پانچ سو مربع میل کے علاقے کا سرسری جائزہ لیا تھا۔

چند منٹ میں میں نے ضروری چیزیں جمع کر لیں۔ یعنی ایک فالتو رائفل' ایک شاٹ گن' کارتوس' رسہ اور مچھلیاں پکڑنے والی ڈوری اور اپنے دو ملازموں اور اس دیہاتی کے ہمراہ جائے حادثہ کی طرف چل پڑا۔ وہ بڑا گرم دن تھا۔ اگرچہ فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ تین میل ہو گا۔ مگر دھوپ کی حدت میں چار ہزار فٹ کی چڑھائی بڑی تھکا دینے والی ثابت ہوئی۔ جب میں گاؤں پہنچا تو پسینے سے شرابور تھا۔

میرے وہاں پہنچتے ہی اس بدنصیب عورت کے شوہر نے مجھے حادثے کی تفصیل سنائی۔ چولہے کے قریب رات کا کھانا کھانے کے بعد جھوٹے برتن صاف کرنے کی غرض سے انہیں اٹھا کر بیرونی دروازے کی دہلیز پر لے گئی۔ ادھر اس کا شوہر حقہ گڑ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گزارنے لگا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر عورت دہلیز پر بیٹھ گئی۔ ابھی وہ بیٹھی تھی کہ برتن زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ یہ جاننے کی خاطر کہ برتن کیوں گرے تھے آدمی باہر آیا۔ اور اس نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ جب اسے کوئی جواب نہ آیا تو اس نے بھاگ کر بیرونی دروازہ بند کر دیا۔ "صاحب! اپنی جان خطرے میں ڈال کر مردہ جسم کو حاصل کرنے کا کیا فائدہ تھا۔" اس شخص نے کہا۔ اس کا یہ جواب اگرچہ انسانیت سے بعید تھا مگر تھا منطق پر مبنی۔ اسے اپنی بیوی کی موت کا اتنا دکھ نہ تھا جتنا اس بچے کو کھو دینے کا غم تھا جو چند روز بعد ان کے یہاں پیدا ہونے والا تھا۔

اس مکان کا بیرونی دروازہ ایک چار فٹ چوڑی گلی میں کھلتا تھا جو تقریباً پچاس گز لمبی تھی اور جس کی دونوں جانب مکان تھے۔ برتن گرنے اور آدمی کی آواز سن کر تمام گھروں کے دروازے ایک دم بند ہو گئے۔ زمین پر نشانات سے پتہ چلتا تھا کہ آدم خور بدنصیب عورت کو گلی کے آخر تک گھسیٹ کر لے گیا تھا۔ اور پھر اسے ہلاک کر کے پہاڑی کے نیچے ایک ندی کے کنارے ویران کھیتوں میں لے آیا تھا۔ یہاں اس نے عورت کو کھایا اور اس کے بچے کھچے حصے چھوڑ گیا۔

باقی ماندہ لاش سے چالیس گز دور ناریل کا ایک بے برگ درخت تھا جس کے ایک دو شاخے میں گھاس کا ایک بڑا سا گٹھا پڑا تھا۔ یہ دو شاخہ اور گھاس کا گٹھا زمین سے کوئی چار فٹ بلند ہوں گے۔ میں نے گھاس کے اس گٹھے میں چھپ کر بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔

لاش کے ساتھ ہی ایک تنگ راستہ ندی کی سمت جاتا تھا۔ اس راستے پر آدم خور کے پنجوں کے نشان موجود تھے۔ یہ نشان اس چیتے کے پنجوں کے نشانات سے مشابہت رکھتے تھے جس نے دو رات پہلے بنگلے تک میرا تعاقب کیا تھا۔ یہ نشان ایک بڑے مگر بوڑھے چیتے کے تھے۔ اس کے پچھلے بائیں پنجے میں ذرا نقص تھا۔ چار برس پہلے یہیں اسے گولی لگی تھی۔

میں نے آٹھ آٹھ فٹ اونچے دو مضبوط بانس لئے اور انہیں لاش کے قریب

کھیت میں گاڑ دیا۔ ان دونوں بانسوں کے ساتھ میں نے اپنی فالتو رائفل اور شاٹ گن باندھ دیں اور ان کا منہ نیچے کی سمت کر دیا۔ پھر مچھلی پکڑنے والی ڈوری کو رائفل اور شاٹ گن کی لبلبیوں سے باندھ کر اس ڈوری کو زمین میں دو کیل گاڑ کر اس راستے پر باندھ دیا جو ندی کی طرف جاتا تھا۔ اور جس پر میں نے آدم خور کے پنجوں کے نشانات دیکھے تھے۔ اگر چیتا دوبارہ اسی راستے سے اپنے شکار کی طرف آتا اور وہ ڈوری کو کھینچ دیتا تو رائفل اور شارٹ گن نے خود بخود چل جانا تھا اور چیتے کے ہلاک ہونے کا امکان تھا۔ اس کے برعکس اگر وہ اس پھندے سے گریز کر کے کسی دوسرے راستے سے اپنے شکار پر آتا اور میں اس پر گولی چلاتا تو پھر بھی اس پھندے میں اس کے پھنسنے کا امکان تھا۔ کیونکہ وہ پھندا اس کی پسپائی کے فطری راستے پر تھا۔ چیتا اپنے کالے جسم کے سبب اندھیرے میں دکھائی نہیں دیتا۔ لہٰذا گولی چلانے کی سمت کا اندازہ رکھنے کے لئے میں پہاڑی پر سے ایک سفید رنگ کا پتھر لایا اور اسے کھیت کے کنارے پر لاش سے ایک فٹ کے فاصلے پر رکھ دیا۔

جب یہ انتظامات مکمل ہو گئے تو میں اپنی نشست کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے گھاس کے گٹھے میں سے کچھ گھاس زمین پر پھینک دی اور باقی گھاس اپنے پیچھے اور کمر تک اپنے آگے رکھ لی۔ چونکہ میرا منہ لاش کی طرف اور پشت درخت کی طرف تھی لہٰذا اس بات کا زیادہ امکان نہ تھا کہ چیتا مجھے دیکھ لیتا۔ خواہ وہ کسی وقت کیوں نہ آتا۔ اس شہرت کے باوجود کہ وہ دوبارہ اپنے شکار پر نہیں آتا مجھے یقین تھا کہ اب کی دفعہ وہ ضرور آئے گا۔ میرے کپڑے ابھی تک پسینے سے گیلے تھے مگر میری جیکٹ نے مجھے سرد ہوا سے قدرے بچا رکھا تھا۔ آخر میں رات بھر کی نگرانی کے لئے اپنی آرام دہ جگہ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے آدمی واپس بھیج دیئے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ نمبردار کے گھر رہیں۔ میں خود وہاں چلا آؤں گا یا پھر سورج نکلنے پر وہ میرے پاس آئیں۔ میں زمین سے چھلانگ لگا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔ ظاہر ہے چیتا بھی یہی حرکت میرے جتنی آسانی سے کر سکتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور وادی گنگا کا منظر جب کہ اس کے پس منظر میں برف پوش ہمالیہ اپنے نیلے اور آتشیں رنگوں کی جھلک دکھا رہا ہو آنکھوں کے لئے ایک جنت سے کم نہ تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دن کا اجالا رات کی تاریکی میں چھپ گیا۔

اندھیرا جب رات کی نسبت سے استعمال کیا جائے تو یہ ایک اضافتی چیز بن جاتا ہے اور اس کا کوئی مقررہ معیار نہیں رہتا۔ ایک شخص کے نزدیک جو کثیف اندھیرا ہوتا ہے ممکن ہے دوسرا اسے محض اندھیرا خیال کرے اور تیسرا شخص اسے عام اندھیرے کا درجہ دے۔ اپنی زندگی کا بہت سا حصہ کھلی جگہوں پر گزارنے کے سبب مجھے رات کبھی تاریک محسوس نہیں ہوئی مگر آسمان پر گہرے بادل چھا جائیں تو پھر دوسری بات ہے۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ میں رات کے وقت بھی دن کی طرح دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ رات کے وقت میں جنگل میں یا کوئی جگہ ہو اپنا راستہ بخوبی دیکھ سکتا ہوں لاش کے قریب سفید پتھر میں نے احتیاط کے طور پر رکھا تھا۔ مجھے امید تھی کہ ستاروں کی چمک اور سفید برف کا عکس یہ دونوں چیزیں مجھے اتنی روشنی مہیا کر دیں گی کہ میں چیتے پر آسانی سے گولی چلا سکوں۔

لیکن قسمت نے میرا ساتھ نہ دیا۔ ابھی آغاز شب تھا کہ دور بجلی چمکنے لگی۔ پھر بادلوں کی گرج سنائی دی اور چند منٹ میں مطلع گہرا ابر آلود ہو گیا۔ بارش کا پہلا موٹا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی مجھے ندی کے اندر کوئی چھوٹا سا پتھر لڑھکنے کی آواز سنائی دی اور پھر کوئی میرے نیچے گھاس کو کریدنے لگا۔ چیتا آ پہنچا تھا۔ جب میں موسلا دھار بارش میں بھیگ رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا میرے کپڑوں میں سیٹیاں بجا رہی تھی تو وہ اس دوران میرے نیچے خشک گھاس میں مزے سے لیٹا رہا۔ ایسا مہیب طوفان باد و باراں میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب طوفان اپنے عروج پر تھا تو میں نے ایک شخص کو لالٹین اٹھائے گاؤں کی سمت جاتے دیکھا۔ مجھے اس شخص کی جرات پر رشک آنے لگا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخص پوری سے بہ حالت مجبوری تیس میل طے کر کے اس

گاؤں میں مجھے رات کے وقت شکار کے لئے استعمال کی جانے والی برقی ٹارچ دینے آیا تھا' جس کا وعدہ حکومت نے مجھ سے کر رکھا تھا۔ کاش یہ ٹارچ تین گھنٹے پہلے پہنچ جاتی۔ لیکن افسوس بے سود ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ چودہ آدمی زیادہ طویل عرصہ زندہ رہتے جو اس ٹارچ کے دیر سے پہنچنے کے بعد آدم خور کا شکار بنے تھے۔ بالفرض اگر ٹارچ بروقت پہنچ جاتی تو پھر بھی اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ میں اس رات چیتے کو ہلاک کر لیتا۔

تھوڑی دیر بعد بارش بند ہو گئی۔ میری ہڈیاں تک سرد ہو چکی تھیں۔ بادل چھٹ رہے تھے کہ اچانک سفید پتھر دھندلا سا ہو گیا۔ پھر مجھے چیتے کے کھانے کی آواز آئی۔ گزشتہ شب وہ ندی میں لیٹ کر لاش کا اوپر والا حصہ کھاتا رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ آج بھی ایسا ہی کرے گا۔ اور اس لئے میں نے لاش کے قریب پتھر رکھا تھا۔ لیکن بارش پڑنے سے ندی میں جگہ جگہ پانی جمع ہونے کے سبب چیتے نے اسے نظر انداز کر کے نئی پوزیشن اختیار کر لی تھی۔ جس سے میرا نشان دھندلا گیا تھا۔ میں نے اس بات کی پیش بینی نہ کی تھی۔ بہرحال چیتوں کی عادات سے واقف ہونے کی بنا پر مجھے معلوم تھا کہ پتھر زیادہ دیر تک دھندلایا نہ رہے گا اور وہ جلدی دکھائی دینے لگے گا۔ دس منٹ بعد مجھے پھر پتھر دکھائی دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے چیتے کو اپنی نشست کے نیچے اندھیرے میں غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس کا رنگ بڑھاپے کی وجہ سے مدھم پڑ چکا تھا۔ لیکن چلتے وقت جو آواز وہ پیدا کر رہا تھا اس نے مجھے آج تک پتا نہیں چل سکا۔ وہ آواز کسی خاتون کے ریشمی لباس کی سرسراہٹ سے مشابہ تھی۔ اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ویران کھیتوں میں وہ آواز کیسے پیدا ہو سکتی تھی۔

رائفل اٹھا کر میں پھر سے یہ انتظار کرنے لگا کہ کب پتھر دوبارہ دھندلائے اور میں گولی چلاؤں۔ لیکن بازو ایک بھاری رائفل کا بوجھ کچھ وقت سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ آخر میں نے بازوؤں کو آرام دینے کی خاطر رائفل نیچے کر لی۔ ابھی میں نے ایسا کیا ہی تھا کہ سفید پتھر پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اگلے دو گھنٹوں میں تین مرتبہ یہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ ہوا۔ آخر تنگ آ کر جب چیتا چوتھی مرتبہ درخت کی طرف آ رہا تھا تو میں نے جھک کر اس کی غیر واضح ہیئت پر گولی چلا دی۔

میں نے جس جگہ پر گولی چلائی تھی وہاں کھیت کی چوڑائی فقط دو فٹ تھی۔ اگلی صبح جب میں نے اس جگہ کا جائزہ لیا تو میری گولی وہاں کھیت کے درمیان میں لگی تھی اور اس کے قریب ہی چیتے کی گردن سے کچھ بال کٹ کر زمین پر بکھرے پڑے تھے۔

اس رات دوبارہ دکھائی نہ دیا۔ اگلی صبح سورج طلوع ہونے پر میں اپنے آدمیوں کے ہمراہ رودر پریاگ کی سمت چل پڑا۔ اور اس عورت کا شوہر اور ان کے رشتہ دار مردے کو جلانے کی رسم پوری کرنے کے لئے لاش کا بچا کھچا حصہ اٹھا کر لے گئے۔

○

تیاریاں

جب میں اپنی رات والی ناکامی کی جگہ سے رودر پریاگ کی سمت جا رہا تھا تو میرے خیالات و جذبات بڑے تلخ اور سرد مہر تھے۔ تقدیر نے میرے ساتھ اور گھڑوال کے باسیوں کے ساتھ ایک ایسی چال چلی تھی جس کے ہم دونوں مستحق نہ تھے۔

اگرچہ میں اسے اپنی خوبی تصور نہیں کرتا مگر پہاڑی علاقوں کے لوگ آدم خور کو ہلاک کرنے کے سلسلے میں مجھے مافوق الفطرت طاقت کا مالک سمجھتے ہیں۔ یہ خبر کہ میں گھڑوال کو آدم خور سے نجات دلانے جا رہا ہوں؛ مجھ سے پہلے گھڑوال پہنچ گئی تھی۔ ابھی مجھے گھڑوال پہنچنے میں کئی دن لگنے تھے لیکن سڑک پر یا راستے کے کنارے کھیتوں پر کام کرنے والے لوگ جب مجھے دیکھتے تو بڑے خلوص سے میری کامیابی کی دعا مانگتے۔ انہیں مجھ پر مکمل اعتماد تھا اور بعض اوقات ان کا یہ اعتماد میرے لئے گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کا سبب بن جاتا۔ جوں جوں میں منزل مقصود کے قریب پہنچ رہا تھا لوگوں کی ولولہ انگیزی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ رودر پریاگ میں میرے داخلے کے وقت اگر آپ میں سے کوئی وہاں موجود ہوتا تو یہ جان کر اسے حیرت ہوتی کہ جس شخص کے گرد مشتاق ہجوم نے گھیرا ڈال لیا تھا وہ کسی جنگ کا ہیرو نہیں بلکہ ایک عام آدمی تھا جسے اپنی خامیوں کا پورا احساس تھا اور جسے یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ جو کام اس نے اپنے ذمے لیا ہے اسے پورا کرنے کی اس میں صلاحیت نہ تھی۔

پانچ سو مربع میل جس کا زیادہ تر رقبہ پہاڑی اور جنگلاتی تھا اور جس میں کوئی پچاس کے قریب چیتے رہتے تھے۔ اتنے بڑے علاقے میں کسی خاص چیتے کو تلاش کر کے ہلاک کرنا نہایت مشکل کام تھا۔ جوں جوں میں اس خوبصورت علاقے سے واقف

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتا جاتا میری ہمت پست ہوتی جاتی مگر وہاں کے عوام کو میرے خیالات کا کس طرح علم ہو سکتا تھا۔ ان کے نزدیک میں تو ایک ایسا شخص تھا جس نے دوسرے کئی علاقوں کو آدم خور سے نجات دلائی تھی اور جو اب انہیں ایک ایسی مصیبت سے چھٹکارا دلانے آیا تھا جو گزشتہ آٹھ برس سے ان کے دل و دماغ پر محیط تھی۔ اور پھر میری آمد سے چند گھنٹے بعد ناقابل یقین خوش قسمتی سے مجھے آدم خور کا سراغ مل گیا تھا۔ اور میرے خیال کے مطابق وہ گھڑوال کے اس حصے میں موجود تھا جہاں اس سے نپٹنا میرے خیال کے مطابق قدرے آسان تھا۔ ان ابتدائی کامیابیوں کے بعد بدنصیب عورت کی ہلاکت بھی وقوع پذیر ہو گئی تھی۔ میں نے مزید انسانی ہلاکتوں کو روکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی ناکامی نے مجھے آدم خور پر گولی چلانے کا موقع بھی مہیا کیا۔ جو شاید مجھے مہینوں حاصل نہ ہوتا۔

گزشتہ دن جب میں اپنے راہنما کے پیچھے پیچھے اس گاؤں کی سمت جا رہا تھا تو میں نے دل ہی دل میں چیتے کو ہلاک کرنے کے امکان کا اندازہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسے ہلاک کرنے کے لئے تین میں سے دو امکان تھے۔ اس حیثیت کے باوجود کہ گزشتہ برسوں میں اس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ دوبارہ اپنے شکار کے پاس نہ آتا تھا اور وہ اندھیری رات تھی اور میرے پاس برقی ٹارچ بھی نہ تھی۔ جس دن میں مائیکل کین کے پاس گیا تھا اور انہیں گھڑوال جانے کے سلسلے میں اپنے ارادے سے مطلع کیا تھا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہ تھی۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ میرے پاس برقی ٹارچ نہیں تھی اور اس کا آرڈر میں نے کلکتہ کی ایک کمپنی کو دے رکھا تھا۔ انہوں نے ازراہ کرم بتایا کہ وہ برقی ٹارچ حکومت مجھے مہیا کرے گی اور میرے رودر پریاگ پہنچنے سے پہلے وہاں موجود ہو گی۔

اگرچہ یہ جان کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی تھی کہ میرے پہنچنے سے پہلے برقی ٹارچ وہاں نہ پہنچی تھی مگر اس مایوسی پر جلد ہی اس خیال نے غلبہ پا لیا کہ میں اندھیرے میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اسی صلاحیت کے بل بوتے پر میں نے رات کے وقت

چیتے کو ہلاک کرنے کے متعلق تین میں سے دو امکان کا اندازہ کیا۔ مجھے اس رات اپنی کامیابی جا اس قدر یقین تھا کہ میں اپنے ہمراہ ایک فالتو رائفل اور ایک شارٹ گن لے گیا تھا اور جب میں نے گھاس کے گٹھے کے اندر چھپ کر چند گز دور پڑی ہوئی لاش اور اپنے دوسرے دام کا جائزہ لیا تو میری امیدیں بلند ہو گئیں۔ اب تو ایک کے مقابلے میں چیتے کو ہلاک کرنے کے دس امکان تھے۔ لیکن پھر طوفان باد و باراں آ گیا۔ دو گز دور بھی بجھائی نہ دیتا تھا۔ میرے پاس برقی ٹارچ بھی نہیں تھی۔ الغرض آدم خور کو ہلاک کرنے میں میں ناکام رہا تھا اور چند گھنٹوں میں اس خبر نے سارے علاقے میں پھیل جانا تھا۔

ورزش، گرم پانی اور غذا یہ چیزیں تلخ خیالات پر بڑا خوشگوار اثر کرتی ہیں۔ بنگلے پر پہنچنے، غسل کرنے اور کھانا کھانے کے بعد میں نے تقدیر کو کوسنا بند کر دیا اور اپنی رات کی ناکامی کا جائزہ معقول نقطہ نظر سے لینے کے قابل ہو گیا۔ نشانہ خطا ہونے پر تاسف کرنا زمین پر دودھ گرنے کے تاسف کے برابر ہے۔ اگر چیتا الک نندہ عبور نہیں کر گیا تھا تو اسے ہلاک کرنے کے میرے مواقع بہتر ہو گئے تھے۔ کیونکہ اب میرے پاس برقی ٹارچ بھی موجود تھی۔

پہلی بات تو یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا آدم خور الک نندہ عبور کر گیا تھا کہ نہیں۔ جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں میرا یقین تھا کہ وہ جھولا نما پلوں کے ذریعے ہی سے ایسا کر سکتا۔ ناشتے کے بعد میں یہ اطلاع حاصل کرنے نکل پڑا۔ وہ چٹوانی چال کا جھولا نما پل عبور نہ کر سکتا تھا کیوں کہ اپنے سر سے چند فٹ دور بھاری رائفل کے چلنے کی آواز کے شدید صدمے کے باوجود اس بات کا امکان نہ تھا کہ اس نے چند گھنٹوں میں چودہ میل کا سفر طے کر لیا ہو گا۔ لہٰذا میں نے اپنی تلاش کو رودر پریاگ کے پل تک محدود کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس پل تک تین راستوں سے جایا جا سکتا تھا۔ پہلا راستہ شمال کی جانب سے اور دوسرا جنوب کی طرف سے تھا اور ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا راستہ رودر پریاگ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بازار سے آتا تھا۔ ان تینوں راستوں کا بڑی احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد میں نے پل عبور کر لیا۔ اور نصف میل تک کیدار ناتھ یاترا سڑک کا جائزہ لیا۔ وہاں سے پھر راستے پر آیا جہاں تین راتیں پہلے چیتے نے میری بکری ہلاک کی تھی۔ اس بات سے مطمئن ہو کر کہ چیتے نے دریا عبور نہیں کیا تھا میں نے دونوں پلوں کو رات کے وقت بند کرنے اور چیتے کو اس علاقے میں رہنے پر مجبور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پلوں کے نگرانوں نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ وہ پلوں کے نزدیک دریا کے بائیں کنارے پر رہتے تھے۔

آپ خیال کرتے ہوں گے کہ عوامی پلوں کو اس طرح بند کر دینا سراسر زیادتی ہے مگر حقیقت میں ایسا نہ تھا۔ کیونکہ چیتے کے ہلاک کئے ہوئے کرفیو آرڈر کے سبب کوئی شخص رات کے وقت ان پلوں پر سے گزرنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔

رات کے وقت پلوں کے چار فٹ چوڑے راستے پر خار دار جھاڑیاں رکھ دی جاتیں۔ اس سارے عرصے میں کسی شخص نے رات کے وقت پلوں پر سے گزرنے کا مطالبہ نہ کیا۔

رودر پریاگ کے بائیں کنارے والے مینار پر میں نے تقریباً بیس راتیں بسر کیں۔ وہ راتیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ وہ مینار ایک آگے کی سمت جھکی ہوئی چٹان پر ایستادہ تھا اور کوئی بیس فٹ بلند تھا۔ اس مینار کی چھت چار فٹ چوڑی اور آٹھ فٹ لمبی تھی۔ اور اس پر چڑھنے کے دو راستے تھے۔ ایک تو موٹے تار کے ذریعے اور دوسرا بانس کی بنی ہوئی سیڑھی کے ذریعے۔ میں نے مؤخرالذکر ذریعہ پسند کیا کیوں کہ تار پر کوئی کالا اور بو دار سیال لگا ہوا تھا جو ہاتھوں سے چمٹ جاتا اور کپڑوں سے ایسا لگتا کہ اس کا داغ چھوٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔

بانس کی سیڑھی مینار کی چھت سے چار فٹ نیچے ختم ہو جاتی تھی اور پھر ہاتھوں کو مینار کی چھت پر ڈال کر بازی گر کی طرح اچھل کر اوپر چڑھنا پڑتا تھا۔

اس علاقے کے دریا شمال سے جنوب کی سمت بہتے ہیں اور وہاں سارا سال ایک تیز ہوا چلتی ہے جو سورج کے طلوع و غروب کے ساتھ ہی اپنا رخ بدل لیتی ہے۔ دن

کے وقت یہ ہوا جسے مقامی طور پر "دارو" کہا جاتا ہے' جنوب کی سمت سے اور رات کے وقت شمال کی سمت سے چلتی ہے۔

جس وقت میں چھت پر چڑھا کرتا تھا ہوا ساکن ہوتی تھی لیکن جوں جوں دن کی روشنی مدھم پڑنے لگتی اس کی رفتار تیز تر ہونے لگتی اور نصف رات تک وہ آندھی کی شکل اختیار کر لیتی۔ چھت پر کوئی ایسی جگہ نہ تھی جسے میں سہارے کے لئے پکڑ سکتا۔ جب ہوا کے دباؤ کو اپنے جسم پر کم محسوس کرانے کی خاطر میں چھت پر لیٹ جاتا تو پھر بھی مجھے یہی فکر دامنگیر رہتی کہ کہیں ہوا مجھے اٹھا کر ساٹھ فٹ نیچے چٹانوں پر نہ پھینک دے۔ ان چٹانوں پر گرنے کے بعد میں نے اچھل کر الک نندہ کے برفانی پانی میں جا پڑنا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ساٹھ فٹ کی بلندی سے گرنے کے بعد پانی کا درجہ حرارت انسان کے لئے دلچسپی کا سبب نہیں رہتا۔ عجیب بات تھی کہ مجھے جب کبھی گرنے کا خیال آتا تو میں چٹانوں کے بجائے برفاب پانی سے زیادہ خوفزدہ ہوتا۔ ہوا کی تکلیف کے علاوہ وہاں چیونٹیوں کا ایک پل بھی تھا جو میرے کپڑوں میں گھس کر میری جلد سے چمٹ جاتیں۔ جو بیس راتیں میں نے پل پر بسر کیں ان میں پل کے منہ پر خار دار جھاڑیاں نہ رکھی گئیں اور اس سارے عرصہ میں فقط ایک زندہ چیز نے اسے عبور کیا۔ وہ تھا ایک گیدڑ۔

○

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جادو

ہر شام جب میں مینار کی چھت پر چڑھنے کے لئے جاتا تو میرے ساتھ دو آدمی ہوتے جنہوں نے بانس کی سیڑھی اٹھا رکھی ہوتی تھی۔ مجھے چھت پر چڑھانے اور میری رائفل میرے حوالے کرنے کے بعد وہ سیڑھی کو ہٹا لیتے۔

دوسری شام جب ہم پل پر پہنچے تو ہم نے ایک ایسا آدمی دیکھا جس نے سفید چوغا پہن رکھا تھا اور اس کے سر اور چھاتی پر کوئی چیز چمک رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چھ فٹ اونچی چاندی کی ایک صلیب اٹھا رکھی تھی اور وہ کیدار ناتھ سے پل کی سمت آ رہا تھا۔ پل کے اوپر پہنچ کر وہ آدمی جھک گیا اور اپنی صلیب کو اپنے سامنے رکھ کر اپنا سر جھکا لیا تھوڑی دیر بعد اس نے صلیب کو بلند کیا' پاؤں کے بل کھڑا ہو گیا' چند قدم آگے اٹھائے اور پھر آگے کی سمت جھک کر اپنا سر بھی جھکا لیا۔ لمبے پل کے سارے راستے پر وہ شخص یہی کچھ کرتا آیا۔

میرے پاس سے گزرتے وقت اس شخص نے سلام کرنے کے انداز میں ہاتھ اوپر اٹھایا۔ لیکن چونکہ وہ اپنی عبادت میں بے حد مگن دکھائی دیتا تھا لہٰذا میں نے اسے بلانا مناسب خیال نہ کیا۔ اس کے سر اور چھاتی پر چمکنے والی چیز چاندی کی چھوٹی چھوٹی صلیبیں تھیں۔

میری طرح میرے آدمی بھی اس عجیب شے میں دلچسپی لے رہے تھے۔ جب وہ شخص رودر پریاگ کے راستے پر چلنے لگا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کیا شے تھی اور وہ کس ملک سے آیا تھا۔ صلیبوں کے نشانات سے پتہ چلتا تھا کہ وہ عیسائی تھا۔ چونکہ میں نے اس کی آواز نہ سنی تھی لہٰذا میں نے اس کی جٹوں' کالی داڑھی اور

خدوخال سے اندازہ کیا کہ وہ شمالی ہندوستان کا باشندہ ہو سکتا تھا۔

اگلی صبح سیڑھی کی مدد سے نیچے اتر کر جب میں بنگلے کی طرف جا رہا تھا تو مجھے وہی شخص ایک بڑی چٹان پر کھڑا دریا کی سمت گھورتا دکھائی دیا۔ جب میں اس کے نزدیک گیا تو وہ چٹان سے اتر کر میرے قریب آیا۔ میرے یہ پوچھنے پر کہ وہ اس علاقے میں کیا لینے آیا تھا اس نے جواب دیا کہ وہ دور دراز کا سفر طے کر کے گھڑوال کے لوگوں کو اس بدروح سے نجات دلانے آیا تھا جو اتنے عرصے سے انہیں تنگ کر رہی تھی۔ جب میں نے پوچھا کہ وہ یہ کام کس طرح انجام دے گا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ لکڑی وغیرہ سے شیر کا ایک مجسمہ بنائے گا' پھر بدروح کو دعاؤں کے ذریعے اس مجسمے میں قید کر کے اسے دریائے گنگا میں بہا دے گا۔ دریائے گنگا اسے سمندر تک پہنچا دے گا جہاں سے وہ واپس نہیں آ سکے گا۔

جو کام اس نے اپنے ذمے لیا تھا اگرچہ مجھے شک تھا کہ وہ اس پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے گا۔ لیکن میں اس کے اعتماد اور مشقت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سارا دن بانسوں' کاغذوں' رنگ دار کپڑوں اور دھاگے سے شیر کا مجسمہ بناتا رہتا۔ وہ صبح اپنی جگہ پر آ جاتا اور جب شام کو میں مینار پر چڑھنے کے لئے جاتا تو وہ اس وقت بھی اپنے فن میں مشغول ہوتا۔ جب مجسمہ مکمل ہونے والا تھا تو ایک رات سخت بارش نے اس کے اجزاء بکھیر دیئے لیکن اس کے ولولے میں کوئی فرق نہ آیا۔ اگلی صبح وہ پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ کام کرتے وقت وہ ساتھ ساتھ گاتا بھی رہتا تھا۔

آخر ایک دن شیر مکمل ہو گیا۔ اس کی جسامت ایک گھوڑے جتنی تھی۔ اور وہ کسی زندہ جانور سے مشابہ نہ تھا۔ مگر وہ شخص اسے بنا کر بڑا مطمئن تھا۔

پہاڑی باشندوں میں کون ایسا ہے کہ جو تماشے وغیرہ میں دلچسپی نہ لیتا ہو۔ جب اس شیر کو ایک مضبوط بانس کے ساتھ باندھ کر دریا کی سمت لے جانے کا وقت آیا تو تقریباً سو سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے جو ڈھول اور طبلے بجا رہے تھے۔

دریا کے کنارے پہنچ کر مجسمے کو بانس سے الگ کیا گیا۔ پھر وہ درویش زمین پر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جھک کر بدروح کو اس مجسمے میں داخل ہونے کی ترغیب دینے لگا۔ جب وہ اپنا عمل مکمل کر چکا تو لوگوں نے باجوں اور ڈھولوں کے شور میں مجسمے کو بدروح کے ہمراہ گنگا مائی کے سپرد کر دیا۔

اگلے دن وہ درویش چٹان پر دکھائی نہ دیا۔ دریا میں اشنان کی غرض سے جانے والے چند آدمیوں سے جب میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ "کون بتا سکتا ہے کہ کوئی مقدس ہستی کہاں سے آتی ہے اور کون یہ پوچھنے کی جرات کر سکتا ہے کہ وہ کدھر جا رہی ہے۔"

ہندوستان میں جہاں کوئی پاسپورٹ یا شناختی کارڈ وغیرہ رائج کرنے کا سسٹم نہیں اور جہاں مذہب کو بے حد اہمیت دی جاتی ہے' میرا یقین ہے کہ کوئی شخص بھی فقیرانہ لباس پہن کر درہ خیبر سے راس کماری تک بلا روک ٹوک سفر کر سکتا ہے اور کوئی اسے پوچھنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ اس کی منزل مقصود کونسی ہے۔

○

بال بال بچاؤ

ابھی میں پل کی نگرانی کر رہا تھا کہ ایبٹ سن اور ان کی بیوی جین پوری سے وہاں آ پہنچے۔ چونکہ بنگلے میں نہایت محدود جگہ تھی لہٰذا میں نے ان کے قیام کے لئے بنگلہ خالی کر دیا اور یاترا سڑک سے دور پہاڑی پر اپنا چالیس پونڈ وزنی خیمہ نصب کر دیا۔

ایک ایسا جانور جس نے گرد و نواح کے کئی دیہات کے دروازوں اور کھڑکیوں پر اپنے پنجوں کے گہرے نشان چھوڑ رکھے تھے' اس سے بھلا ایک خیمہ کیا پناہ دے سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ خیمے کے گرد خار دار جھاڑیوں کی ایک بلند باڑھ کھڑی کر دیں۔ جس جگہ ہم نے خیمہ نصب کیا وہاں ناشپاتی کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اس درخت کی شاخیں خیمہ نصب کرنے میں دخل انداز ہو رہی تھیں۔ لہٰذا میں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ درخت کو کاٹ دیں۔ جب درخت تھوڑا سا کٹ چکا تو میں نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ مجھے اچانک خیال آ گیا کہ دن کے وقت وہ درخت مجھے گرمی سے پناہ دے گا۔ لہٰذا میں نے آدمیوں سے کہا کہ وہ درخت کو گرانے کے بجائے وہ شاخیں کاٹ دیں جو حارج ہو رہی تھیں۔ درخت جو خیمے پر پینتالیس درجے کے زاویے سے جھکا ہوا تھا' اس کی جڑ اور تنا باڑھ سے باہر تھا۔

اس چھوٹے سے خیمے میں آٹھ آدمیوں نے سونا تھا۔ تمام کو کھانے سے فارغ ہونے پر میں باڑ کا دروازہ بند کرنے کی غرض سے جب کیمپ سے باہر نکلا تو میں نے سوچا کہ آدم خور کے لئے تنے کے راستے درخت پر چڑھ کر ہماری طرف اتر آنا بڑا آسان ہو گا۔ بہرحال اب کچھ نہ ہو سکتا تھا اگر چیتا آج کی رات ہمیں معاف کر دیتا تو اگلے دن میں نے درخت کٹا دینا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میرے آدمیوں کے لئے کوئی خیمہ نہ تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ ایبٹ سن کے ملازموں کے ہمراہ بنگلے کے کوارٹروں میں سو جائیں۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اس انکار کا یہ جواز پیش کیا کہ اگر میرے لئے کھلی جگہ سونے میں کوئی خطرہ نہیں تھا تو پھر ان کے لئے کیسے ہو سکتا تھا۔ میرا خانساماں جو نیند میں خراٹے لینے کا عادی تھا مجھ سے ایک گز دور سویا ہوا تھا۔ اور اس سے دور چھ گھڑوالی ایک گوشے میں ٹھنسے پڑے تھے۔

ہمارے دفاع کا کمزور پہلو درخت تھا اور میں اس کے متعلق سوچتا ہوا سو گیا۔

وہ بھرپور چاندنی رات تھی۔ نصف شب کے قریب درخت پر چیتے کے چڑھنے کی آواز سے ایک دم میری آنکھ کھل گئی۔ اپنے پہلو میں پڑی ہوئی رائفل اٹھا کر میں سلیپر پہننے میں مصروف تھا کہ درخت پر کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ میں تیزی سے خیمے سے باہر نکلا لیکن چیتا اس اثناء میں شاخوں کی آواز سے گھبرا کر ایک دم درخت سے چھلانگ لگا گیا۔ میں نے نشانہ لینے کی غرض سے رائفل اوپر اٹھائی تھی کہ وہ ملحقہ ویران کھیت میں جا پہنچا۔ میں باڑھ کے دروازے سے جھاڑیاں ہٹا کر ایک دم باہر کھیت میں آ گیا اور چیتے کو دیکھنے میں مصروف تھا کہ دور پہاڑی کے اوپر ایک گیدڑ کی چوکنی آواز سنائی دی' جن سے مجھے پتہ چل گیا کہ چیتا میری دسترس سے باہر جا چکا تھا۔

بعد میں خانساماں نے مجھے بتایا کہ وہ چت لیٹا ہوا تھا اور درخت پر شاخوں کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ چیتے کا چہرہ بالکل اس کی آنکھوں کے سامنے تھا اور وہ نیچے چھلانگ لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔

دوسرے دن درخت کاٹ دیا گیا اور باڑ مزید مضبوط کر دی گئی۔ اس کے بعد ہم چند ہفتے اس خیمے میں رہے مگر پھر کبھی ہماری نیند میں خلل نہ آیا۔

○

لوہے کا پھندہ

گرد و نواح کے دیہات جہاں آدم خور نے انسانی شکار حاصل کرنے کی ناکام کوششیں کی تھیں وہاں کی خبروں سے اور راستوں پر پنجوں کے نشانات سے میں جانتا تھا کہ چیتا ابھی آس پاس ہی تھا۔ ایبٹ سن کی آمد کے چند روز بعد مجھے خبر ملی کہ چیتے نے ردر پریاگ سے دو میل دور اور اس گاؤں سے جہاں میں نے رات کے وقت اس پر گولی چلائی تھی' وہاں سے نصف میل دور' ایک گائے ہلاک کر دی تھی۔

اس گاؤں پہنچ کر صورت حال کا جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ چیتا ایک کمرے کا دروازہ توڑ کر چند گائیوں میں سے ایک کو ہلاک کر کے اسے دروازے تک گھسیٹ لایا تھا۔ اور جب اسے دروازے سے باہر نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس کا تھوڑا بہت گوشت کھا کر چلتا بنا۔

وہ مکان گاؤں کے وسط میں تھا۔ چند گز کے فاصلے پر ایک دوسرے مکان کی دیوار میں چھید کر کے ہم ہلاک شدہ گائے کی نگرانی کر سکتے تھے۔

اس گھر کا مالک جو مردہ گائے کا مالک بھی تھا' ایبٹ سن اور میرے منصوبے سے پوری طرح متفق تھا۔ جب شام کے سائے گہرے ہونے لگے تو ہم نے خود کو دوسرے مکان کے کمرے میں مقفل کر لیا اور سینڈو چز وغیرہ کھا کر باری باری دیوار کے سوراخ میں سے گائے کی نگرانی کرنے لگے۔ لیکن چیتا رات بھر نہ تو دکھائی دیا اور نہ ہی اس کی آواز سنائی دی۔

صبح کے وقت جب ہم کمرے سے باہر نکلے تو دیہاتیوں نے ہمیں سارے گاؤں کا چکر لگوایا۔ اور وہ دروازے اور کھڑکیاں دکھائیں جن پر آدم خور نے انسانی شکار حاصل

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے کی کوشش میں اپنے پنجوں کے گہرے نشان چھوڑ رکھے تھے۔ ایک دروازے پر خاص طور پر زیادہ گہرے نشانات تھے۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں چالیس بکریاں اور لڑکا رہتے تھے۔ اور چیتا جس کا دروازہ کھول کر لڑکے کو اٹھا کر لے گیا تھا۔

دو دن بعد بنگلے سے چند سو گز دور پہاڑی پر ایک دوسرے گاؤں میں ایک گائے کے ہلاک ہونے کی خبر ملی۔ یہاں بھی چیتا گائے کو کمرے کے اندر ہلاک کر کے اسے دروازے کی دہلیز تک کھینچ لایا تھا اور پھر اس کا تھوڑا سا حصہ کھا کر چلا گیا تھا۔ دروازے کے سامنے کوئی دس گز دور لکڑی کے دو فٹ اونچے ایک چبوترے پر خشک گھاس کا کوئی سولہ فٹ اونچا انبار پڑا تھا۔

گائے کے ہلاک ہونے کی خبر ہمیں صبح صبح پہنچا دی گئی تھی۔ لہٰذا تیاری کے لئے ہمارے پاس سارا دن تھا۔ شام کے وقت ہم نے جو مچان تیار کی اس سے زیادہ موثر اور بہتر مچان میں نے زندگی بھر نہ دیکھی تھی اور نہ خود بنائی تھی۔

ہم نے سب سے پہلے گھاس کا انبار وہاں سے اٹھایا۔ پھر ہم نے لکڑی کے پلیٹ فارم کے گرداگرد کئی بانس مضبوطی سے زمین میں گاڑ دیئے۔ ان بانسوں کے ساتھ پہلے پلیٹ فارم سے چار فٹ بلند ایک دوسرا پلیٹ فارم بنایا گیا اور اس سارے ڈھانچے کے گرد تار لپیٹ دیا گیا۔ پھر ان پلیٹ فارموں کے نیچے اور اوپر خشک گھاس بکھیر دی گئی۔ جب سورج غروب ہو رہا تھا تو ہم تاروں کے نیچے سے رینگ کر مچان پر چڑھ گئے اور باڑھ کا دروازہ حفاظت سے بند کر دیا۔ ایبٹ سن مجھ سے قد میں قدرے چھوٹے ہیں لہٰذا وہ اوپر والے پلیٹ فارم پر بیٹھ گئے اور میں نیچے والے پلیٹ فارم پر۔ جب ہم اپنی اپنی جگہ پر آرام سے بیٹھ گئے تو ہم نے چیتے پر گولی چلانے کے لئے اپنے اردگرد کی گھاس کو تھوڑا سا ادھر کر کے اس میں ایک ایک سوراخ بنا لیا۔ چونکہ چیتے کی آمد پر ہم ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے لہٰذا ہم نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ جو بھی اسے پہلے دیکھے اس پر گولی چلا دے وہ بھرپور چاندنی رات تھی۔ اور برقی ٹارچ کی ضرورت نہ تھی۔

شام کے کھانے کے فوراً بعد دیہاتی گھروں کے اندر اور باہر خاموشی مسلط ہو گئی۔ کوئی دس بجے کے قریب میں نے اپنے عقب والی پہاڑی سے چیتے کے آنے کی آواز سنی۔ خشک گھاس کے انبار کے قریب آ کر وہ لمحہ بھر کے لئے رکا۔ اور پھر اس پلیٹ فارم کے نیچے رینگنے لگا جس پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان فقط لکڑی کا ایک تختہ تھا۔ جب اس کا سر عین میرے نیچے تھا تو چند منٹ تک اس نے رینگنا بند کر دیا۔ پھر وہ آگے بڑھنے لگا میں اس انتظار میں تھا کہ وہ پلیٹ فارم کے نیچے سے نمودار ہو تو میں تین چار فٹ کے فاصلے سے اس کا سر اڑا دوں لیکن ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرے اوپر والے پلیٹ فارم پر لکڑی کے ایک تختے کے چرچرانے کی تیز آواز آئی۔ چیتا یہ سنتے ہی گولی کی طرح دائیں جانب بھاگا اور پہاڑی پر چڑھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے ایبٹ سن کی ٹانگیں جڑ سی گئی تھیں۔ انہوں نے انہیں سیدھا کرنے کی خاطر جونہی دراز کیا تو ان کے نیچے والا تختہ چرچرا اٹھا۔ اس خوف کے بعد چیتے نے اپنا شکار چھوڑ دیا اور وہ اس شب اور اس سے اگلی شب بھی وہاں نہ آیا۔

دو راتیں بعد رودر پریاگ بازار کے اوپر چند سو گز دور ایک اور گائے ہلاک ہو گئی۔

اس گائے کا مالک ایک الگ تھلگ مکان میں رہتا تھا جو ایک کمرے پر مشتمل تھا۔ کمرے کو اس نے تقسیم کر کے باورچی خانے اور رہائش میں تقسیم کر رکھا تھا۔ رات کے کسی وقت اسے باورچی خانے میں آواز سنائی دی۔ وہ باورچی خانے کا دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا اس نے لکڑی کے تختوں کی بڑی بڑی درازوں میں سے چاندنی کی روشنی میں چیتے کو ایک تختہ گرانے کی کوشش میں مصروف دیکھا۔

وہ پسینے میں شرابور دبکا بیٹھا رہا اور چیتا ایک کے بعد دوسرے تختے کو گرانے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر اپنی کوشش میں ناکام ہونے پر چیتا کمرے سے باہر نکل گیا اور اس نے مکان کے قریب ہی بندھی ہوئی اس شخص کی گائے ہلاک کر دی۔ گائے ہلاک کر کے اس نے اس کا رسہ توڑا اور اسے گھسیٹ کر تھوڑا دور ایک کھیت میں لے گیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور پیٹ بھر کر چلا گیا۔

پہاڑی کے کنارے اور مردہ گائے سے بیس گز دور ایک بڑا سا درخت تھا جس کی بالائی شاخوں میں کھیتوں کی رکھوالی کے لئے گھاس کو رسوں وغیرہ سے باندھ کر ایک نشست بنائی گئی تھی۔ جو ایک طرح کی مچان تھی۔ اس مچان پر ایبٹ سن اور میں نے بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔

آدم خور کو ہلاک کرنے کی خاطر ہماری مدد کے لئے حکومت نے چند روز پہلے ہمیں لوہے کا ایک پھندہ بھیجا تھا۔ وہ پھندہ جو پانچ فٹ لمبا اور اسی پونڈ وزنی تھا' اس جیسی خوفناک چیزیں میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کے جبڑوں میں تین تین انچ لمبے لوہے کے دانت لگے ہوئے تھے۔ جو دو سپرنگوں کی مدد سے چوبیس انچ تک کھل جاتے تھے۔ لیکن ان طاقتور سپرنگوں کو دبانے کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔

اپنے شکار کو چھوڑ کر چیتا ایک پگڈنڈی کے راستے ایک چالیس فٹ چوڑے کھیت میں سے گزر کر ایک دوسرے ایسے کھیت میں سے گزرا تھا جہاں بہت سی جھاڑیاں اگی تھیں۔ ان دونوں کھیتوں کے درمیان ایک "بٹ" تھی جو تین فٹ چوڑی تھی۔ اس وٹ پر جہاں سے چیتا گزرا تھا ہم نے پھندا لگا دیا۔ اور چیتے کو اس کی طرف آنے اور پھندے کے اوپر سے گزرنے کی ترغیب دینے کی خاطر اس راستے کے دونوں جانب خار دار جھاڑیاں لگا دیں۔ پھر زمین میں ایک میخ گاڑھ کر زنجیر کی مدد سے پھندا اس کے ساتھ باندھ دیا۔

جب یہ انتظامات مکمل ہو گئے تو جین ایبٹ سن ہمارے آدمیوں کے ہمراہ واپس بنگلے چلی گئیں۔ ادھر میں اور ایبٹ سن درخت کے اوپر چڑھ گئے اور چیتے کا انتظار کرنے لگے۔ ہمیں یقین تھا کہ اس دفعہ وہ بچ کر نہ جا سکے گا۔

شام ہوتے ہی مطلع گہرے بادلوں کی زد میں آ گیا۔ چاند نے نو بجے سے پہلے طلوع نہ ہو۔ تھا۔ اگر چیتا اس وقت سے پہلے آ جاتا تو اسے دیکھنے اور اس پر صحیح گولی

چلانے کے لئے ہمارے پاس برقی ٹارچ موجود تھی جو خاصی بھاری تھی۔ ایبٹ سن اس بات پر مصر تھے کہ میں چیتے پر گولی چلاؤں۔ لہٰذا تھوڑی سی دقت کے بعد میں نے برقی ٹارچ اپنی رائفل پر جما لی۔

اندھیرا پھیلے ہوئے ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ اچانک چیتے کی غصیلی گرج سنائی دی۔ چیتا پھندے میں پھنس گیا تھا۔ برقی ٹارچ روشن کر کے میں نے دیکھا کہ چیتا پھندے کو پیچھے کی جانب کھینچ رہا تھا۔ اور اس کا ایک اگلا پنجہ اس میں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنی 450 رائفل کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ گولی اس زنجیر میں لگی جس سے ہم نے پھندے کو باندھ رکھا تھا۔ گولی لگتے ہی اس کی ایک کڑی ٹوٹ گئی۔

زنجیر ٹوٹتے ہی چیتا پھندے کو لے کر اپنے آگے آگے کھیتوں میں بھاگنے لگا۔ میں نے اور ایبٹ سن نے یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلائیں مگر تینوں خطا گئیں۔ رائفل کو دوبارہ بھرنے کے عمل میں برقی ٹارچ کا کوئی پرزہ ادھر ادھر ہو گیا اور اس نے کام کرنا بند کر دیا۔

چیتے کا شور اور گولیوں کی آواز سن کر رودر پریاگ بازار اور گرد و نواح کے دیہات کے لوگ لالٹین اور مشعلیں لے کر گھروں سے نکل دوڑے۔ انہیں شور مچا کر دور رہنے کی تلقین کرنا بے سود تھا کیونکہ وہ اس قدر شور مچا رہے تھے کہ ہماری آواز اس میں دب گئی تھی۔ میں جلدی سے اندھیرے میں درخت سے اترا۔ اتنے میں ایبٹ سن نے وہ پٹرول لیمپ روشن کر لیا جسے ہم اپنے ساتھ مچان پر لے گئے تھے۔ ایبٹ سن نے وہ لیمپ ایک رسے کے ذریعے نیچے لٹکا دیا اور پھر خود بھی نیچے اتر آئے اور ہم دونوں اس سمت چل پڑے جدھر چیتا گیا تھا۔ کھیتوں سے دور چٹانوں کا ایک جھرمٹ سا تھا۔ ایبٹ سن نے لیمپ اپنے سر سے اوپر اٹھا رکھا تھا۔ ہم بڑی احتیاط سے ان چٹانوں تک پہنچے۔ میں نے رائفل اپنے کندھے سے جما رکھی تھی۔ چٹانوں سے دور ایک نشیب تھا اس نشیب میں ہماری طرف منہ کر کے چیتا غرا رہا تھا۔ دوسرے لمحے میری گولی نے اس کے سر کے پرخچے اڑا دیئے۔ اتنے میں لوگوں کا ہجوم وہاں پہنچ گیا اور ہمیں گھیرے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لے لیا۔ وہ اپنے دیرینہ خوفناک دشمن کے گرد ناچنے اور خوشی کے گیت گانے لگے۔

میرے سامنے ایک بڑا چیتا لیٹا تھا جس نے گزشتہ شب لکڑی کا پھٹا توڑنے اور انسانی شکار حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر وہ ایک ایسے علاقے میں ہلاک ہوا تھا جہاں درجنوں انسان آدم خور کا شکار بن چکے تھے۔ یہ تمام باتیں یہ تصور کرنے میں مدد دیتی تھیں کہ وہی آدم خور تھا۔ لیکن میں خود کو یقین دلانے سے قاصر تھا کہ یہ وہی چیتا تھا جو میں نے بارش والی رات دیکھا تھا اور جس پر میں نے گولی چلائی تھی۔ یہ سچ ہے کہ وہ اندھیری رات تھی اور میں نے چیتے کو مبہم طور پر دیکھا تھا اس کے باوجود مجھے یقین نہ آتا تھا کہ وہ آدم خور تھا۔

لوگوں نے چیتے کو ایک بانس کے ساتھ باندھا اور ہم سب رودر پریاگ بازار کے راستے بنگلے کی سمت چل پڑے۔

اس سارے ہجوم میں فقط میں ہی ایک ایسا آدمی تھا جسے رودر پریاگ کے آدم خور کی ہلاکت پر یقین نہ آ رہا تھا۔ میرے خیالات اس واقعے کی سمت پلٹ گئے جو بچپن میں ہماری موسم سرما کی رہائش گاہ کے قریب رونما ہوا تھا اور جو کئی برس بعد "بہادر کارنامے" نامی ایک کتاب میں شائع ہوا تھا۔ یہ واقع دو آدمیوں سے متعلق تھا سمتھین اور بریڈوڈ نامی دو انگریزوں کے متعلق۔ ریل کی آمد سے پہلے کے زمانے میں یہ دونوں شخص ایک ڈاک گاڑی میں مراد آباد سے کالا ڈھونگی جا رہے تھے۔ وہ اندھیری اور طوفانی رات تھی۔ سڑک کے ایک موڑ پر ایک اچانک ایک شیطان ہاتھی سے ان کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ گاڑی بان اور دونوں گھوڑوں کو ہلاک کر کے ہاتھی نے گاڑی الٹا دی۔ بریڈوڈ کے پاس رائفل تھی۔ جب وہ رائفل کو اس کے کیس میں سے نکالنے' اسے جوڑنے اور اسے بھرنے میں مصروف تھا' سمتھین گاڑی کے اوپر چڑھ گیا اور اس نے گاڑی کے ساتھ بندھا ہوا ایک لیمپ کھول لیا۔ اور اسے اپنے سر سے اونچا کئے ہاتھی کی سمت بڑھا۔ لیمپ کی روشنی بڑی مدھم تھی لیکن ہاتھی کی پیشانی اس میں دکھائی دے رہی تھی۔ اس روشنی میں بریڈوڈ اس کی پیشانی میں گولی اتارنے اور اسے ہلاک کرنے

میں کامیاب ہو گیا۔ مانا کہ ایک شیطان ہاتھی اور ایک چیتے میں بڑا فرق ہوتا ہے لیکن درد سے پاگل چیتے کے قریب جانے کی بہت کم لوگ جرات کرتے ہیں۔ پھر وہ چیتا جو بڑی حد تک اپنا زخمی پنجہ پھندے سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ ایبٹ سن کی جرات تھی کہ وہ اپنی حفاظت میرے ذمے چھوڑ کر لیمپ اٹھائے میرے ساتھ چل رہے تھے۔

کئی برس بعد وہ پہلی رات تھی کہ گھروں کے دروازے کھلے تھے اور بچے اور عورتیں دہلیزوں میں کھڑی دکھائی دیں۔ ہماری رفتار بڑی مدھم تھی کیونکہ ہمیں ہر چند قدم کے فاصلے پر چیتے کو زمین پر رکھنا پڑتا اور بچے اور عورتیں اس کے گرد گھیرا ڈال لیتے۔ آخر بازار کی آخری نکڑ پر دیہاتی رخصت ہو گئے اور ہمارے آدمی چیتے کو اٹھا کر بنگلے لے آئے۔

خیمے میں غسل کرنے کے بعد میں بنگلے پر آیا۔ رات کے کھانے کے دوران اور پھر کتنی دیر بعد تک ایبٹ سن اور میں اس متنازعہ فیہ مسئلے پر اظہار خیال کرتے رہے کہ کیا وہ چیتا آدم خور تھا کہ نہیں۔ آخر کسی فیصلے پر پہنچے بغیر ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم دونوں چیتے کی کھال اتاریں اور اترسوں پوری کی سمت چل پڑیں۔ جہاں ایبٹ سن نے چند ضروری فرائض انجام دینے تھے۔ میں بھی رودر پریاگ میں اپنے طویل قیام سے تھک چکا تھا۔

اگلے دن صبح سے شام تک نزدیک دور کے دیہات کے لوگ چیتے کو دیکھنے آتے رہے۔ ان میں سے بہت سے آدمیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ آدم خور کو جانتے تھے اور یہ وہی تھا۔ ایبٹ سن کا یہ اعتقاد کہ وہ صحیح اور میں غلطی پر تھا۔ لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے ایبٹ سن سے دو باتیں کرنے کی درخواست کی۔ پہلی' وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ آدم خور سے متعلق اپنی احتیاط میں کمی واقع نہ ہونے دیں۔ دوسری' حکومت کو ابھی بذریعہ تار مطلع نہ کریں کہ ہم آدم خور کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس رات ہم جلدی سو گئے کیونکہ اگلے دن ہمیں علی الصبح اپنے سفر کا آغاز کرنا تھا۔ ابھی اندھیرا ہی تھا کہ میں اٹھ بیٹھا اور جب میں "چھوٹے ناشتے" میں مصروف تھا تو سڑک پر لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اتنی صبح لوگوں کو سڑک پر دیکھنا معمول کے خلاف تھا لہٰذا میں نے ان سے پوچھا کہ وہ اس وقت سڑک پر کیا کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر چار آدمی پگڈنڈی سے میرے خیمے تک آئے۔ اور بتایا کہ پٹواری نے انہیں مجھ تک یہ اطلاع پہنچانے کے لئے بھیجا تھا کہ چٹوالی پال کے پل کی دوسری جانب پل سے ایک میل دور آدم خور نے ایک عورت ہلاک کر دی تھی۔

○

شکاریوں کا تعاقب

ایبٹ سن کا ملازم ان کے لئے چائے لے کر ان کے کمرے میں داخل ہو رہا تھا کہ میں بھی پہنچ گیا۔ پوری جانے کا ارادہ ملتوی کرنے اور اپنے آدمیوں کو اس سے آگاہ کرنے کے بعد ہم دونوں جین کے بستر پر بیٹھ گئے اور اپنے درمیان اس علاقے کا ایک بڑا نقشہ پھیلا کر چائے کی پیالی پر آئندہ منصوبوں کے متعلق بات چیت کرنے لگے۔

چونکہ ایبٹ سن کو پوری میں بہت ضروری کام تھا۔ لہٰذا انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ زیادہ سے زیادہ یہاں دو دن مزید قیام کر سکتے تھے۔ میں نے گزشتہ دن اپنے گھر نینی تال تار دیا تھا کہ میں براستہ پوری اور کوٹ وارہ گھر پہنچ رہا تھا۔ میں نے یہ تار منسوخ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا ارادہ تھا کہ ریل کے بجائے جس راستے سے آیا تھا اس سے پیدل واپس جاؤں۔ ان باتوں کا فیصلہ کرنے کے بعد ہم نے نقشے پر وہ گاؤں تلاش کیا جہاں عورت ہلاک ہوئی تھی۔ اپنے ارادے میں رد و بدل سے اپنے آدمیوں کو مطلع کرنے کی خاطر میں کیمپ واپس آیا اور انہیں بتایا کہ وہ سامان باندھ کر ان چار آدمیوں کے ہمراہ ہمارے پیچھے آئیں جو چیتے کے تازہ انسانی شکار کی خبر لائے تھے۔

جین کو رودر پریاگ میں ٹھہرنا تھا۔ لہٰذا ناشتے کے بعد ایبٹ سن اور میں گھوڑوں پر روانہ ہو پڑے۔ وہ دونوں بڑی عمدہ نسل کے گھوڑے تھے۔

ہم نے اپنے ہمراہ اپنی رائفلیں' ایک سٹوو' ایک پٹرول لیمپ اور تھوڑا سا سامان رد و نوش لے لیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم نے گھوڑے چٹوانی پال کے پل پر چھوڑ دیئے۔ جس رات ہم نے چیتا ہلاک کیا تھا۔ پل اس رات بند نہ کیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدم خور دریا عبور کر کے دوسری طرف چلا گیا اور پہلے گاؤں ہی میں انسانی شکار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

پل پر ایک گائڈ ہمارا منتظر تھا۔ وہ ہمیں پہلے تو ایک بلند پہاڑی پر' پھر ایک شاداب پہاڑی کے ساتھ اور پھر گھنے درختوں سے ڈھکی ہوئی ایک ندی کے کنارے کنارے لے گیا۔ کچھ آگے چل کر اس ندی میں سے ایک اور ندی نکلتی تھی۔ وہاں پٹواری اور تقریباً بیس آدمی لاش کی نگرانی کر رہے تھے۔

وہ اٹھارہ یا بیس سال کی ایک نوجوان اور تنو مند لڑکی کی لاش تھی۔ وہ اوندھے منہ لیٹی تھی اور اس کے بازو اس کے پہلوؤں کے ساتھ لگے ہوئے تھے اس کے جسم پر کپڑے کا ایک تار نہ تھا۔ چیتے نے اسے پاؤں سے گردن تک چاٹ رکھا تھا۔ گردن پر دانتوں کے چار بڑے بڑے نشان تھے۔ اس کے جسم کے بالائی اور نچلے حصے سے فقط چند پونڈ گوشت کھایا گیا تھا۔

پہاڑی پر جن ڈھولوں کی آواز ہمیں سنائی دی تھی انہیں لاش کی نگرانی کرنے والے لوگ بجا رہے تھے۔ اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے اور چونکہ دن میں چیتے کے آنے کا کوئی امکان نہ تھا لہٰذا ہم چائے بنانے کی خاطر گاؤں چلے گئے۔ پٹواری اور دوسرے لوگ بھی ہمارے ساتھ آ گئے۔

چائے کے بعد ہم اس مکان پر گئے جہاں سے لڑکی اٹھائی گئی تھی۔ وہ پتھر کا بنا ہوا ایک کمرے پر مشتمل مکان تھا جو ایک کھیت کے وسط میں واقع تھا۔ اس میں وہ لڑکی' اس کا شوہر اور ان کا چھ ماہ کا بچہ رہتے تھے۔

لڑکی کی ہلاکت سے دو دن پہلے لڑکی کا شوہر زمین کے کسی مقدمے میں گواہی دینے کے لئے پوری گیا تھا۔ اور اپنے والد کو گھر کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ حادثے

کے دن شام کے کھانے سے فارغ ہو کر لڑکی نے اپنا بچہ اپنے سسر کو دیا اور رفع حاجت کے لئے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ پہاڑی دیہات میں صفائی وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا۔

جب بچہ اپنی ماں سے اپنے دادا کے پاس گیا تو وہ رونے لگا۔ لہٰذا اگر باہر کوئی آواز بھی ہوتی' اور مجھے یقین ہے کہ کوئی آواز نہ ہوئی ہو گی' تو وہ پھر بھی اسے سن نہ سکتا۔ وہ اندھیری رات تھی۔ چند منٹ کے انتظار کے بعد اس نے لڑکی کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ پا کر اس نے پھر آواز دی۔ پھر وہ اٹھا اور اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔

اس شام بارش ہوئی تھی۔ بارش تھمنے کے تھوڑی دیر بعد چیتا جو گاؤں کی سمت سے آ رہا تھا' اس تنہا مکان سے تیس گز دور ایک چٹان کے عقب میں دبک کر بیٹھ گیا۔ یہاں وہ کچھ دیر لیٹا رہا۔ شاید وہ لڑکی اور اس کے خسر کی باتیں سنتا رہا تھا۔ جب لڑکی اپنے گھر سے دس گز دور دائیں سمت رفع حاجت کے لئے بیٹھ گئی تو چیتا پیٹ کے بل رینگ کر چٹان کی دوسری سمت چلا گیا۔ وہاں سے اس نے باقی بیس گز کا فاصلہ پھر پیٹ کے بل رینگ کر طے کیا اور لڑکی کو عقب سے پکڑ کر دوبارہ چٹان کی سمت گھسیٹ کر لے گیا۔ یہاں جب لڑکی مر گئی یا ممکن ہے جب اس کے خسر نے اسے آواز دی تو چیتا اسے منہ میں پکڑ کر اور اسے زمین سے بلند کر کے تاکہ اس کے ہاتھوں یا پیروں کے گھسٹنے کا نشان زمین پر نہ لگے' کھیت کی دوسری جانب لے گیا۔ وہاں تین فٹ چوڑی ایک بٹ تھی اس بٹ کی دوسری جانب ایک اور کھیت تھا جو بارہ فٹ نیچے واقع تھا۔ جہاں وہ کھیت ختم ہوتا تھا۔ وہاں ایک کچا راستہ تھا۔ چیتا لڑکی کے ہمراہ بارہ فٹ نیچے کھیت میں کود گیا۔ چیتے کی طاقت کا کچھ اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ جب چیتے نے چھلانگ لگائی تو اس نے لڑکی کے جسم کا کوئی حصہ زمین پر نہ لگنے دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کچے راستے سے گزر کر چیتا نصف میل طے کر کے اس جگہ آیا جہاں اس نے لڑکی کے کپڑے اتارے تھے۔ لڑکی کے جسم سے تھوڑا سا گوشت کھانے کے بعد وہ اسے ایک درخت کے نیچے گھنی سرسبز گھاس کے ایک تختے میں چھوڑ گیا۔

چار بجے کے قریب ہم اپنی رائفلیں اور پٹرول لیمپ لے کر لاش کی نگرانی کے لئے چل پڑے۔

یہ فرض کر لینا عقل پر مبنی تھا کہ چیتے نے دیہاتیوں اور ڈھولوں کی آوازیں سن لی تھیں اور اب اس نے اپنے شکار کی طرف بڑی احتیاط سے آنا تھا' لہٰذا ہم نے لاش سے دور بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک ایسا درخت چنا جو لاش سے ساٹھ گز دور پہاڑی کے اوپر تھا اور جہاں سے گھاس کا تختہ اور لاش صاف دکھائی دیتے تھے۔

بڑ کا یہ درخت پہاڑی کے اوپر زاویہ قائمہ بنائے ہوئے تھا۔ لیمپ کو درخت کی کھوہ میں چھپانے اور اسے پتوں وغیرہ سے ڈھانپنے کے بعد ایبٹ سن درخت کے ایک ایسے دو شاخے میں بیٹھ گئے جہاں سے وہ لاش کو صاف طور پر دیکھ سکتے تھے۔ ادھر میں ان کی طرف پشت اور پہاڑی کی طرف منہ کر کے درخت کے تنے پر بیٹھ گیا۔ اس دفعہ ایبٹ سن نے گولی چلانی تھی اور میں نے حفاظت کا خیال رکھنا تھا۔ چونکہ برقی ٹارچ کام نہ کر رہی تھی' شاید اس کی بیٹری ختم ہو گئی تھی اس لئے ہمارا ارادہ تھا کہ جب تک لاش دکھائی دے ہم وہاں بیٹھے رہیں اور پھر پٹرول لیمپ کی مدد سے گاؤں پہنچ جائیں' جہاں ہمارے آدمی ہمارے انتظار میں ہوں گے۔

ہمیں گرد و نواح کی جگہ کا جائزہ لینے کا موقع نہ ملا تھا۔ لیکن دیہاتیوں نے ہمیں بتا دیا تھا کہ لاش کی مشرق کی سمت ایک گھنا جنگل تھا اور ان کا یقین تھا کہ شور وغیرہ سن کر چیتا وہاں جا چھپا تھا۔ اگر چیتا اس سمت سے آیا تو لاش تک پہنچنے سے پہلے ہی ایبٹ سن نے دیکھ لیں گے اور اس پر گولی چلانا بھی آسان ہو گا۔ ایبٹ سن کی رائفل کے

ساتھ دوربین کا شیشہ تھا۔ جس سے نشانہ صحیح ہونے کے علاوہ اندھیرے میں بھی ایک حد تک دیکھا جا سکتا تھا۔

سورج بلند پہاڑیوں کے پیچھے مغرب میں غروب ہو رہا تھا۔ ہمارے چاروں سمت سائے پھیلنے لگے۔ اتنے میں ایک ککر گھنے جنگل کی سمت سے شور مچاتا ہوا پہاڑی کی سمت آیا۔ پہاڑی کے اوپر کھڑے ہو کر اس نے گردن اٹھا کر دیکھا اور پھر چلاتا ہوا پہاڑی کی دوسری جانب چلا گیا۔

بلاشبہ ککر نے چیتے کو دیکھ لیا تھا۔ اگرچہ اس علاقے میں دوسرے چیتوں کی موجودگی کا امکان بھی تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ ککر نے آدم خور ہی کو دیکھا ہو گا۔ جب میں نے ایبٹ سن کی طرف دیکھا تو وہ رائفل کو کندھے سے لگائے بڑے چوکنے بیٹھے تھے۔

روشنی آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی مگر اتنی ضرور تھی کہ دوربین والے شیشے کی مدد کے بغیر گولی چلائی جا سکے۔ اتنے میں اچانک ہمارے اوپر پہاڑی پر تیس گز دور صنوبر کے درخت کی ایک سوکھی شاخ پہاڑی سے لڑھکتی ہوئی نیچے آئی اور ہمارے درخت سے آ کر ٹکرائی۔ چیتا آ پہنچا تھا' اور ممکن ہے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک ایسی راہ اختیار کی تھی جہاں کھڑے ہو کر وہ اپنے شکار کے گرد و نواح کی جگہ اچھی طرح دیکھ سکے۔ بدقسمتی سے ہمارا درخت اور اس کا شکار ایک سیدھ میں تھے۔ میں پتوں میں چھپا ہوا تھا۔ شاید چیتا مجھے نہ دیکھ سکتا لیکن ایبٹ سن تو بالکل اس کے سامنے تھے۔ اور ظاہر ہے چیتے نے انہیں دیکھ لیا تھا۔

جب اچھی طرح اندھیرا پھیل گیا اور دوربین کے شیشے کی مدد سے گولی چلانے کا امکان بھی ختم ہو گیا تو ہم نے چیتے کو دبے پاؤں درخت کی سمت آتے دیکھا۔ اب واپس جانے کا وقت تھا لہٰذا میں نے ایبٹ سن سے کہا کہ وہ میری جگہ پر آ جائیں۔ میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے لیمپ روشن کر لیا اس کی روشنی بڑی تیز تھی مگر اس کا ہینڈل بڑا لمبا تھا اور وہ جنگل میں بطور لالٹین استعمال نہ ہو سکتا تھا۔

میں ایبٹ سن سے ذرا دراز قامت ہوں لہٰذا میں نے لیمپ اٹھانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن ایبٹ سن نے کہا کہ لیمپ وہ اٹھائیں گے اور میں رائفل سے اپنے گرد و پیش کی نگرانی کروں۔ آخر ہم چل پڑے۔ ایبٹ سن میرے آگے لیمپ اٹھائے چل رہے تھے اور میں عقب میں دونوں ہاتھوں میں رائفل تھامے بڑی ہوشیاری سے آس پاس دیکھ رہا تھا۔

درخت سے پچاس گز دور ایک چٹان پر چڑھتے وقت ایبٹ سن کا پاؤں پھسل گیا اور لیمپ کا پیندا زور سے چٹان کے ساتھ ٹکرایا۔ لیمپ میں سے ایک تیز شعلہ نکلا جس کی روشنی میں ہم یہ دیکھنے کے قابل ہو گئے کہ پاؤں کہاں رکھنا چاہئے۔ لیکن پیندا چٹان کے ساتھ ٹکراتے ہی لیمپ کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ اب یہ سوال ہمارے درپیش تھا کہ بتی بجھنے کے بعد ہم اندھیرے میں کس طرح چلیں گے۔ لیمپ نے زیادہ سے زیادہ تین منٹ مزید جلنا تھا۔ ان تین منٹ میں نصف میل تک ناآشنا پہاڑی راستے پر چلنا اور منزل تک پہنچنا ناممکن تھا اور پھر جب راستے میں جابجا خار دار جھاڑیاں اور خطرناک چٹانیں ہوں اور پھر بھی دھڑکا لگا ہو کہ کہیں آدم خور تعاقب تو نہیں کر رہا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آدم خور واقعی ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔

انسانوں کی زندگی میں بعض ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ ان کے نقش وقت کی گرد کبھی دھندلا نہیں سکتی۔ اندھیرے میں پہاڑی پر چڑھنا میرے لئے ان واقعات میں سے ایک ہے۔ آخر جب ہم راستے پر پہنچ گئے تو ہماری وقت پھر بھی ختم نہ ہوئی کیونکہ وہ راستہ عجیب بھول بھلیاں تھا۔ اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہمارے آدمی کہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آخر دو چار مرتبہ گرنے کے بعد ہم ایک ایسے چٹانی زینے کے قریب پہنچ

گئے جو راستے سے ہٹ کر دائیں سمت جاتا تھا۔ اس زینے پر چڑھ کر ہمیں ایک صحن دکھائی دیا جس کی دوسری طرف ایک دروازہ تھا۔ زینے پر چڑھتے وقت مجھے کمرے کے اندر کے حصے کی گڑگڑاہٹ سنائی دی تھی لہٰذا دروازے پر پہنچتے ہی میں نے اسے پاؤں سے زور سے ٹھوکر ماری اور کمرے کے اندر موجود لوگوں سے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ جب اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو میں نے جیب سے دیا سلائی نکال کر اسے زور سے ہلایا اور ساتھ ہی بلند آواز میں چلایا کہ اگر ایک منٹ کے اندر اندر دروازہ نہ کھولا تو میں گھاس کی چھت کو آگ لگا دوں گا۔ میرے ان الفاظ پر کمرے کے اندر سے ایک احتجاجی آواز آئی جو درخواست کر رہی تھی کہ میں کمرے کو آگ نہ لگاؤں اور یہ کہہ کر دروازہ کھولا جا رہا تھا۔ ایک منٹ بعد پہلے اندرونی اور پھر بیرونی دروازہ کھلا۔ میں اور ایبٹ سن دو بڑے بڑے ڈگ بھر کر کمرے میں داخل ہو گئے اور اپنے پیچھے دروازہ کو بند کر دیا۔

کمرے میں بارہ یا چودہ ہر عمر کے مرد، عورتیں اور بچے موجود تھے۔ اس تھوڑی سی تلخی کے بعد جب ماحول ذرا بہتر ہوا تو مرد جلدی دروازہ نہ کھولنے کے سلسلے میں ہم سے معافی مانگنے لگا۔ انہوں نے بتایا کہ اتنے طویل عرصے سے آدم خور کی دہشت نے ان پر اس طرح غلبہ پا رکھا تھا کہ ان کی ہمت سلب ہو چکی تھی۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ آدم خور کونسا روپ دھار لے۔ وہ رات کے وقت ہر آواز پر شک کرتے تھے۔ ان کے اس خوف سے ہم پوری طرح متفق تھے۔ جب سے ایبٹ سن نے چٹان پر سے پھسل کر لیمپ کا شیشہ توڑ لیا تھا اور بتی بجھ گئی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ہم میں سے ایک یا دونوں صحیح و سلامت گاؤں تک نہ پہنچ سکیں گے۔

ہمیں بتایا گیا کہ ہمارے آدمی غروب آفتاب کے قریب گاؤں پہنچے تھے۔ اور انہیں پہاڑی کی دوسری جانب عمارتوں کے ایک بلاک میں ٹھہرایا گیا تھا۔ کمرے میں سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں نوجوانوں نے ہمیں وہاں تک پہنچانے کی پیش کش کی۔ لیکن چونکہ ہم جانتے تھے کہ انہیں تنہا واپس آنے کی اجازت دینا انہیں موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف ہو گا اس لئے ہم نے ان کی پیش کش قبول نہ کی۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ ہمیں کوئی لالٹین وغیرہ دے سکتے تھے۔ کمرے میں تھوڑی سی تلاش کے بعد ایک پرانی شکستہ چمنی والی لالٹین نکالی گئی۔ اسے زور سے ہلانے پر معلوم ہوا کہ اس کے اندر تیل کے چند قطرے تھے۔ کمرے کے باسیوں کی دعاؤں کے ہمراہ ہم باہر نکل پڑے۔ ہمارا باہر نکلنا ہی تھا کہ انہوں نے ایک دم دونوں دروازے بند کر لئے۔

راستے میں اب بھی کئی بھول بھلیاں اور نوکیلی چٹانیں تھیں۔ لیکن لالٹین کی مدھم روشنی میں ہمیں تھوڑا بہت راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد پتھروں کا ایک زینہ آیا۔ ہمیں اس زینے پر چڑھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ زینے پر چڑھنے کے بعد ہم نے خود کو ایک وسیع صحن میں پایا جس کے سامنے دائیں سے بائیں دو منزلہ مکانوں کی ایک قطار تھی۔ ہر مکان کا دروازہ بند تھا اور کہیں سے ہلکی سی روشنی بھی نمودار نہ ہو رہی تھی۔

ہماری آواز پر ایک دروازہ کھلا ایک چھوٹا سا زینہ چڑھنے کے بعد ایک برآمدہ آگیا جس کے ساتھ دو کمرے تھے۔ ایک ہمارے آدمیوں کے لئے اور دوسرا ہمارے لئے۔ جب ہمارے آدمی ہمارے ہاتھوں سے رائفلیں اور لیمپ لے رہے تھے تو نہ جانے ایک کتا کہاں سے آگیا۔ ہمارے پاؤں کو سونگھنے اور دم ہلانے کے بعد وہ اس زینے کی طرف چل پڑا جو ہم نے ابھی ابھی طے کیا تھا۔ دوسرے لمحے ہی خوف کی ایک چیخ اور بے تحاشا بھونکنے کے ساتھ وہ ہماری طرف تیزی سے پلٹا۔ اس کے جسم کے تمام بال کھڑے ہو گئے تھے۔

جو لالٹین ہم مانگ کر لائے تھے وہ دو منٹ پہلے بجھ چکی تھی مگر ہمارے آدمیوں

کے پاس اس جیسی دو لالٹینیں تھیں۔ ایبٹ سن نے ایک لیمپ جلدی سے سر کے اوپر کی اور میں رائفل کو دوبارہ لوڈ کرنے لگا۔ مگر لالٹین کی روشنی آٹھ فٹ سے آگے نہ جا سکتی تھی۔

کتے پر نظر رکھنے سے چیتے کی نقل و حرکت کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ جب چیتا صحن میں سے گزر کر اور زینہ اتر کر راستے پر چلا گیا تو کتے نے آہستہ آہستہ بھونکنا بند کر دیا اور زمین پر بیٹھ کر اس سمت غور سے دیکھنے لگا۔ گاہے گاہے وہ غراتا رہا۔

ہمارے لئے جو کمرہ خالی کیا گیا تھا اس میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔ ہماری حفاظت کا یہی طریقہ تھا کہ ہم دروازے کو اچھی طرح بند کر دیں اور روشنی اور ہوا کو بھی اندر آنے کی اجازت نہ دیں۔ یہ ہمارے لئے مشکل تھا لہٰذا ہم نے برآمدے میں سونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ کتا کمرے کے پہلے مالک کا تھا اور برآمدے میں سونے کا عادی تھا۔ وہ ہمارے پاؤں میں بڑے آرام سے رات بھر سویا رہا۔ ایبٹ سن اور میں باری باری رات بھر جاگتے رہے۔

○

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

واپسی

اگلے دن علی الصبح ہم عورت کی لاش کے قریب پہنچے اور یہ دیکھ کر ہمیں مایوسی ہوئی کہ چیتا رات کو وہاں نہ آیا تھا حالانکہ ہمارا یقین تھا کہ ہمیں شکار کرنے میں ناکام ہونے کے بعد وہ وہاں ضرور جائے گا۔

دن کے وقت ایبٹ سن تو سرکاری کاغذات دیکھنے میں مصروف رہے اور میں رائفل لے کر اس امید پر چل نکلا کہ شاید چیتے پر گولی چلانے کا کوئی موقع ہاتھ آ جائے۔ سخت اور صنوبر کے کانٹوں سے بھری ہوئی زمین پر چیتے کے پنجوں کے نشانات کا سراغ لگانا مشکل تھا۔ لہٰذا میں پہاڑی کے شانے کی سمت چل پڑا جس کے پرے دیہاتیوں کے کہنے کے مطابق گھنا جنگل تھا۔ یہ حصہ بڑا دشوار گزار تھا۔ گھنی اور ناقابل گزر جھاڑیوں کے علاوہ جگہ جگہ نوکیلی چٹانیں تھیں جن پر پاؤں جمانا بڑا مشکل تھا۔ اس علاقے میں بہت شکار تھا اور وہاں کے راستوں پر میں نے ککر، گھوڑال، سؤر اور سانبھر کے پاؤں کے نشان دیکھے تھے۔ جہاں تک چیتے کا تعلق ہے اس کے ناخنوں کی چند پرانی لکیروں کے سوا مجھے کوئی نشان دکھائی نہ دیا۔

جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو رودر پریاگ سے لوہے کا پھندا بھی پہنچ گیا۔ شام کے قریب ہم اسے لاش کے پاس لے گئے اور اسے لگانے کے بعد لاش کو زہریلا بنا دیا۔ لاش کو زہریلا بنانے کے لئے ہم نے سائنائڈ (Cyanide) استعمال کیا۔ مجھے اور ایبٹ سن کو زہروں کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ لیکن نینی تال سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے

اپنے ایک ڈاکٹر دوست سے ذکر کیا کہ حکومت کی خواہش تھی کہ میں ہر طریقے سے آدم خور کو ہلاک کروں مگر اس سلسلے میں زہر استعمال کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ ریکارڈ سے پتہ چلتا تھا کہ چیتا زہر کھا کر بھی زندہ رہا تھا۔ میں نے اسے ان تمام زہروں کے نام بتا دیئے جو پہلے آزمائے گئے تھے۔ پھر اس نے سائنائیڈ تجویز کیا جو بلی کے خاندان کے لئے بہترین زہر تھا۔ میں نے یہ اطلاع ایبٹ سن کو پہنچا دی تھی اور انہوں نے میری آمد سے چند روز پہلے سائنائیڈ کے کیپسول کا انتظام کر لیا تھا۔ لاش کو چیتے نے جہاں جہاں سے کھایا تھا ہم نے وہاں چند کیپسول داخل کر دیں۔

ہمیں پوری امید تھی کہ چیتا دوسری رات اپنا شکار کھانے کے لئے ضرور آئے گا۔ چونکہ گزشتہ شب اس نے ہمیں درخت پر دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا ہم نے اس کی گھات میں نہ بیٹھنے اور اسے پھندے اور زہر کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

راستے کے نزدیک صنوبر کے ایک بہت بڑے درخت پر ہم نے مچان تیار کی اور رات کے کھانے سے فارغ ہو کر اس پر جا بیٹھے، اس آرام دہ مچان پر ہم آسانی سے ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ سکتے تھے۔ ہم وہاں باتیں کرتے اور سگریٹ پیتے رہے۔ ہمارے وہاں بیٹھنے کا فقط یہ مقصد تھا کہ لاش کی جانب سے کوئی آواز سن سکیں۔ ہم اس امید پر باری باری سوتے اور نگرانی کرتے رہے کہ شاید چیتا پھندے میں پھنس جائے اور اس کی غصیلی گرج ہمیں سنائی دے۔ رات کو فقط ایک دفعہ ککر کی آواز سنائی دی اور وہ بھی اس سمت کی مخالف جانب سے جدھر سے چیتے کے آنے کی امید تھی۔

پو پھٹتے ہی ہم مچان سے اترے۔ سٹوو پر چائے تیار کرنے اور پینے کے بعد ہم لاش دیکھنے گئے۔ جس حالت میں ہم اسے چھوڑ گئے تھے وہ بدستور پڑی تھی۔

وقت سے پہلے ناشتہ کرنے کے بعد ایبٹ سن رودر پریاگ روانہ ہو گئے۔ میں اپنا سامان باندھنے اور پندرہ دن کی مسافت پر روانہ ہونے یعنی نینی تال واپس چلنے سے پہلے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیہاتیوں سے باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں آدمیوں کا ایک گروہ خبر لایا کہ چار میل دور ایک چیتے نے ایک گائے ہلاک کر دی تھی۔ انہیں شک تھا کہ وہ گائے آدم خور نے ہلاک کی تھی کیونکہ گزشتہ شب چیتا درخت سے برآمدے تک ہمارے تعاقب میں آیا تھا اور رات کے پچھلے پہر اس نے گاؤں کے نمبردار کے گھر کا دروازہ توڑنے کی کوشش کی تھی۔ دوسری شام اس مکان سے تقریباً تین سو گز دور جنگل میں گائے ہلاک ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کی فوری درخواست پر میں نے نینی تال جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے ہمراہ لوہے کا پھندہ اور زہر لے کر میں اس گاؤں کی سمت چل پڑا۔

نمبردار کا مکان ایک چھوٹے سے ٹیلے پر واقع تھا جس کے چاروں طرف کھیت تھے۔ مجھے ایک پگڈنڈی کے ذریعے اس مکان تک لے جایا گیا۔ پگڈنڈی کی زمین نرم اور ہموار تھی اس پر چیتے کے پنجوں کے نشان تھے۔

نمبردار نے مجھے وادی میں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا لہٰذا میں اس کے مکان پر پہنچا تو گرما گرم چائے میری منتظر تھی۔ جب میں چائے پینے میں مصروف تھا تو نمبردار نے اس دروازے کی سمت میری توجہ مبذول کرائی جسے دو راتیں پیشتر چیتے نے توڑنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتا اگر نمبردار نے خوش قسمتی سے دروازے کے سامنے ایک شہتیر نہ رکھا ہوتا۔ یہ شہتیر اس نے چھت کی مرمت کے لئے منگوایا تھا۔

نمبردار بوڑھا اور دمے کا پرانا مریض تھا۔ لہٰذا اس نے مردہ گائے مجھے دکھانے کی غرض سے اپنے بیٹے کو میرے ساتھ روانہ کیا اور آپ خود میرے اور میرے آدمیوں کے لئے گھر میں جگہ مہیا کرنے میں مصروف ہو گیا۔

جلد ہی مجھے وہ گائے نظر آ گئی۔ گائے عمدہ نسل کی تھی اور مویشیوں کے راستے سے ذرا اوپر ایک چوڑی جگہ پر پڑی تھی۔ پھندہ لگانے کے لئے یہ بہترین پوزیشن تھی۔

گائے کی پشت جنگلی گلاب کی جھاڑیوں کی سمت اور اس کے کھر ایک فٹ اونچے ایک کنارے کی طرف تھے۔ گائے کو کھاتے وقت چیتا اس کنارے پر جا بیٹھا تھا۔ اور اس کے اگلے پنجے گائے کی ٹانگوں میں رہے تھے۔

گائے کی ٹانگوں کے درمیان سے مٹی اکھاڑنے اور اسے دور پھینکنے کے بعد میں نے وہاں پھندہ لگا دیا۔ جہاں چیتے نے اپنے اگلے پاؤں رکھے تھے۔ پھر وہ جگہ بڑے بڑے سبز پتوں سے ڈھانپ کر اور ان پر مٹی کی ایک تہہ جما کر میں نے اس پر پہلے کی طرح خشک پتے بکھیر دیئے اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بالکل اسی حالت میں رکھ دیئے جس طرح میں نے انہیں دیکھا تھا۔ جن لوگوں نے پہلے گائے کو مردہ حالت میں دیکھا تھا ان میں سے ایک بھی یہ اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ وہ جگہ کھود کر وہاں ایک خوفناک پھندہ لگایا گیا تھا۔

میری تسلی کے مطابق جب انتظامات مکمل ہو گئے تو میں واپس آ کر ایک ایسے درخت پر بیٹھ گیا جو نمبردار کے گھر اور گائے کے درمیان واقع تھا میرا خیال تھا کہ اگر پھندے کے سلسلے میں میری ضرورت پڑے تو میں پہنچ جاؤں۔

شام کے قریب جنگلی مرغوں کا ایک جوڑا جو مردہ گائے کے پاس گھوم رہا تھا اچانک ایک دم چوکنا ہو گیا اور شور مچاتا ہوا پہاڑی کی دوسری سمت چلا گیا۔ چند سیکنڈ بعد ایک لکڑ بھاگتا ہوا میری طرف آیا اور میرے درخت کے نیچے تھوڑی دیر چلانے کے بعد دبے پاؤں پہاڑی کے اوپر چڑھ گیا۔ اس کے بعد کچھ نہ ہوا۔ جب اندھیرا زیادہ پھیل گیا اور درخت کے سائے میں میرے لئے نشانہ لینا مشکل ہو گیا تو میں چپکے سے درخت سے اتر کر پنجوں کے بل گاؤں کی سمت چل پڑا۔

نمبردار کے گھر سے تقریباً ایک سو گز دور ایک راستہ تیس گز لمبے اور بیس گز چوڑے گھاس کے ایک کھلے قطعے میں سے گزر رہا تھا۔ اس قطعے کی بالائی طرف ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چٹان تھی جب میں اس کھلی جگہ پر پہنچا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ میں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے متعلق سوچا اور جلدی سے دو بڑے بڑے ڈگ بھر کر اس چٹان کے عقب میں لیٹ گیا۔ فقط میری آنکھ ہلاک شدہ گائے کی سمت سے دکھائی دے سکتی تھی۔

دس منٹ تک میں گیلی زمین پر لیٹا رہا۔ جب چاروں سمت مکمل اندھیرا پھیل گیا تو میں اٹھا اور ہر ممکن احتیاط سے نمبردار کے گھر پہنچ گیا۔

رات کو ایک دفعہ نمبردار نے مجھے گہری نیند سے بیدار کیا اور بتایا کہ اس نے دروازے پر چیتے کے پنجوں کی آواز سنی تھی۔ جب اگلی صبح میں نے دروازہ کھولا تو اس کے سامنے نرم زمین پر آدم خور کے پنجوں کے نشان موجود تھے۔ ان نشانوں کا تعاقب کرتا ہوا میں گھاس کے اس کشادہ قطعے تک گیا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ چیتے نے بھی وہی کچھ کیا تھا جو گزشتہ شام میں نے کیا تھا۔ جہاں سے میں نے راستہ چھوڑا تھا اس نے بھی وہیں سے راستہ چھوڑ دیا تھا۔ نرم زمین سے گزر کر چٹان تک آیا تھا اور پھر دوبارہ راستے پر آنے کے بعد نمبردار کے گھر تک میرا تعاقب کیا تھا اور مکان کے گرد چند چکر لگائے تھے۔

مکان کو چھوڑنے کے بعد چیتا پھر اپنے شکار کی طرف گیا تھا۔ میری امیدیں بلند ہونے لگیں۔ لیکن اس وقت تک میں چیتے کی پوری مکاری اور ہوشیاری سے بخوبی واقف نہ ہوا تھا اور یہ نہ جانتا تھا کہ آٹھ برس تک انسانوں سے تعلق رکھنے کے بعد چیتا کس قدر چالاک ہو جاتا ہے۔

میں راستہ چھوڑ کر ایک اونچی جگہ سے گائے کی سمت گیا اور تھوڑے فاصلے سے دیکھا کہ گائے وہاں موجود نہ تھی اور جس جگہ میں نے پھندہ لگایا تھا وہاں پنجوں کے دو نشانوں کے سوا زمین کو بالکل نہ چھیڑا گیا تھا۔

پہلی رات کی طرح چیتے نے ایک فٹ بلند کنارے پر بیٹھ کر اپنے اگلے دونوں پنجے گائے کی ٹانگوں کے درمیان ڈالے اور پھر انہیں زمین میں گڑی ہوئی پھندے کی میخوں پر جما دیا ان دونوں میخوں کی درمیانی جگہ پر بوجھ پڑتا تو پھندے کا جبڑا بند ہو جاتا اور یوں پھندے سے محفوظ ہو کر چیتے نے حسب منشا پیٹ بھرا اور پھر چکر کاٹ کر گائے کے سر کی سمت آیا اور گائے کو پکڑ کر اسے گلاب کی جھاڑیوں میں سے گھسیٹتا ہوا آگے لے گیا اور پہاڑی سے نیچے لڑھکا دیا جہاں پچاس گز دور وہ بڑ کے ایک درخت کے تنے کے ساتھ لگی پڑی تھی' اس کام سے فارغ ہو کر چیتا مویشیوں کے راستے پر چلنے لگا۔ مجھے ایک میل تک اس کے پنجوں کے نشان دکھائی دیئے۔ پھر سخت زمین نے انہیں معدوم کر دیا۔

گائے کی سمت چیتے کے دوبارہ لوٹنے کی امید نہ تھی۔ لیکن گزشتہ شب گائے کے اندر زہر نہ رکھنے پر میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا تھا۔ لہٰذا اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی خاطر میں نے زہر کی ایک بڑی خوراک گائے کے جسم میں رکھ دی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت شکار کے سلسلے میں زہر استعمال کرنے کے خیال سے مجھے نفرت تھی اور یہ نفرت آج بھی بدستور قائم ہے۔

اگلی صبح میں گائے کو دیکھنے گیا اور مجھے پتہ چلا کہ جس جگہ میں نے زہر رکھا تھا وہ حصہ ایک چیتے نے رات کو کھا لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ زہر آدم خور کے بجائے کسی دوسرے چیتے نے جو اتفاقاً" ادھر آ نکلا تھا' کھا لیا تھا۔ گاؤں واپس آ کر میں نے نمبردار سے کہا کہ اس چیتے کو تلاش کرنے کی خاطر میں مزید وہاں ٹھہر نہیں سکتا لیکن اگر کوئی شخص اس چیتے کو تلاش کر کے اور اس کی کھال اتار کر پٹواری کے حوالے کر دے تو میں اسے سو روپیہ دوں گا۔ ایک ماہ بعد اس انعام کا مدعی پیدا ہو گیا۔ اس چیتے کو مرے کافی دن ہو گئے تھے۔ اور اس کی کھال' جو زہریلی ہو چکی تھی' پٹواری نے زمین میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دفن کر دی تھی۔

میرے آدمیوں کو سامان باندھنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ اور دوپہر کے ذرا بعد ہم نینی تال کی سمت اپنی طویل مسافت پر چل پڑے۔ جب ہم ایک تنگ راستے پر سے چٹواپی تال کے پل کی سمت جا رہے تھے تو ایک بڑا سانپ بڑے آرام سے ہمارا راستہ کاٹنے لگا۔ میں اسے گزرتا ہوا دیکھ رہا تھا کہ میرے پیچھے کھڑے سادھو سنگھ نے کہا۔ "یہ وہی بدروح ہے جو آپ کی ناکامی کی ذمہ دار ہے۔"

گھڑوال کے لوگوں کو آدم خور کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس طرح میرا وہاں سے چلے آنا ممکن ہے آپ کو سنگ دل فعل محسوس ہو۔ مجھے بھی یہی محسوس ہوا تھا اور اخباروں میں اس پر کڑی نکتہ چینی کی گئی تھی۔ ان دنوں ہندوستانی اخبارات میں تقریباً ہر روز آدم خور چیتے کا ذکر ہوتا تھا۔ اپنی صفائی میں میں فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ایک ایسی جدوجہد جو دل و دماغ پر بیحد بوجھ ڈالے اسے غیر متعین عرصے تک مسلسل جاری رکھنا بیحد مشکل ہوتا ہے۔ گھڑوال میں میں نے کئی ہفتے بسر کئے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ساری ساری رات آدم خور کی گھات میں بیٹھنے کے بعد میں اگلے دن ان گنت میل طے کرتا اور ان دور دراز کے دیہات میں جاتا جہاں سے آدم خور کے ناکام حملوں کی خبریں آتی تھیں۔ چاندنی راتوں میں کئی دفعہ کسی بے آرام پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے جسمانی قوت برداشت جواب دے دیتی اور نیند کے بوجھ تلے میرے لئے آنکھیں کھلی رکھنا اپنے اختیار سے باہر محسوس ہوتا۔ ایسی کیفیت میں میں اکثر اوقات ایسی جگہوں پر بیٹھا ہوتا جہاں سے مجھے شکار کر لینا آدم خور کے لئے نہایت آسان تھا۔ میں گھنٹوں ان راستوں پر چلا تھا جو فقط میرے لئے اور آدم خور کے لئے کھلے تھے۔ میں نے اسے اپنے دام میں گرفتار کرنے کی خاطر اپنی عقل کے مطابق ہر ممکن چال آزما دیکھی تھی۔ پھر چیتا اپنی خوش قسمتی سے یا شیطانی مکاری سے میری اس گولی سے بچ نکلا تھا جس نے اس

کے پرخچے اڑا دینے تھے۔ کئی دفعہ چیتے نے بڑے قریب سے راتوں کو میرا تعاقب کیا تھا۔ یہ احساس کہ رات کے وقت کوئی آدم خور شکار حاصل کرنے کی خاطر کسی کا تعاقب کر رہا ہے' بڑا تباہ کن احساس ہوتا ہے اور انسان کو گہرے احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے۔

جسمانی اور ذہنی طور پر میں جس طرح تھک چکا تھا اگر اس حالت میں مزید ردر پریاگ میں ٹھہرا رہتا تو گھڑوال کے لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا تھا اور عین ممکن تھا کہ مجھے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ یہ جانتے ہوئے کہ خود عائد کردہ اپنے اس فرض میں عارضی تعطل پر اخبارات میں کڑی نکتہ چینی ہو گی۔ مجھے اپنے اس فعل کے برحق ہونے کا احساس بھی تھا۔ گھڑوال سے رخصت ہونے سے پیشتر میں وہاں کے باشندوں کو یقین دلا آیا تھا کہ میں اپنی پہلی فرصت میں دوبارہ وہاں آنے کی کوشش کروں گا۔

○

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مچھلی کا شکار

میں خستگی و ماندگی کی حالت میں 1925ء میں موسم خزاں کے آخر میں اپنی ناکامی کی جگہ سے واپس آیا تھا۔ مگر اپنی جدوجہد جاری رکھنے کی غرض سے تازہ دم ہو کر اور بلند امیدیں لئے 1926ء کے موسم بہار کے شروع میں پھر وہاں پہنچ گیا۔

آدم خور کے تعاقب میں جب میں دوسری دفعہ گھڑوال گیا تو کڈوارا تک کا سفر میں نے ریل کے ذریعے طے کیا۔ وہاں سے پیدل پوری تک آیا۔ اس طرح میں نے آٹھ دن بچا لئے پوری میں ایبٹ سن مجھے مل گئے اور وہ میرے ساتھ رودر پریاگ تک آئے۔

گھڑوال سے میری تین ماہ کی عدم موجودگی کے دوران آدم خور نے دس انسانوں کو ہلاک کیا تھا۔ اور ان تین ماہ میں دہشت زدہ لوگوں نے اسے ہلاک کرنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔

ان دس انسانی ہلاکتوں میں سے آخری انسانی موت ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔ یہ انسانی موت رودر پریاگ میں ہماری آمد سے دو دن پہلے دریائے الک نندہ کے بائیں کنارے پر واقع ہوئی تھی اور ہمیں پوری میں اس کی خبر بذریعہ تار مل گئی تھی۔ اگرچہ ہم حتی الامکان تیز رفتاری سے رودر پریاگ پہنچے تھے لیکن سرکاری بنگلے پر منتظر پٹواری سے یہ جان کر ہمیں مایوسی ہوئی کہ چیتے نے اپنے شکار کا بچا کھچا حصہ بھی گزشتہ شب کھا لیا تھا اور اب سوائے ہڈیوں کے وہاں کچھ نہ رہ گیا تھا۔

وہ لڑکا رودر پریاگ سے چار میل دور ایک گاؤں میں نصف شب کو ہلاک ہوا تھا

چونکہ یہ توقع کے خلاف تھا کہ چیتا اتنی جلدی پل عبور کر کے دوسری طرف آ چکا ہو گا لہٰذا ہم نے دونوں جھولا نما پل فوری طور پر رات کے وقت بند کرا دیئے۔

موسم سرما میں ایبٹ سن نے آدم خور کے علاقے میں اس کے حملے یا انسانی ہلاکت کی خبر پہنچانے کے سلسلے میں بڑا اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ اگر اس علاقے میں کوئی کتا' بکری' گائے یا انسان ہلاک ہو جاتا یا آدم خور کوئی دروازہ توڑنے کی کوشش کرتا تو اس کی خبر فوری طور پر ہمیں پہنچ جاتی اور اس طرح ہم چیتے کی نقل و حرکت سے مسلسل باخبر رہتے۔ آدم خور کے حملے کی سینکڑوں جھوٹی خبریں بھی ہم تک پہنچ جاتیں جس کے سبب ہمیں کئی کئی میل سفر طے کرنا پڑتا۔ لیکن مجھے ان سب باتوں کی توقع تھی۔ کیونکہ ایک ایسا علاقہ جہاں آدم خور نے دہشت پھیلا رکھی ہو۔ ہر انسان اپنے سائے ہی سے ڈرنے لگتا ہے اور رات کے وقت کوئی دوسری آواز بھی آدم خور ہی سے منسوب کی جاتی ہے۔

اس قسم کی ایک افواہ گلتو نامی ایک شخص سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ کنڈہ کا رہنے والا تھا۔ یہ گاؤں رودر پریاگ سے سات میل دور الک نندہ کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ گلتو شام کے وقت اپنے مویشی خانے میں رات بسر کرنے کے لئے گھر سے چل پڑا جو وہاں سے ایک میل دور تھا۔ جب اس کا بیٹا اگلی صبح مویشی خانے پہنچا تو اسے اپنے باپ کا کمبل نصف مویشی خانے کے اندر اور نصف مویشی خانے کے باہر پڑا دکھائی دیا۔ قریب ہی ہموار زمین پر اسے کسی چیز کے گھسیٹے جانے کا نشان نظر آیا اور اس کے نزدیک اسے آدم خور کے پنجوں کے نشان دکھائی دیئے۔ گاؤں واپس آ کر اس نے شور مچا دیا۔ ساٹھ آدمی گلتو کی تلاشی میں نکل پڑے اور چار آدمی رودر پریاگ کی سمت ہمیں اطلاع دینے کی خاطر بھاگے۔ میں اور ایبٹ سن دریا کے بائیں کنارے ایک پہاڑی پر ہانکا لگوا رہے تھے کہ وہ آدمی وہاں پہنچ گئے۔ چونکہ مجھے یقین تھا کہ آدم خور دریا کی ہماری سمت میں تھا اور گلتو کی موت کی خبر میں کوئی سچائی نہ تھی لہٰذا ایبٹ سن نے ان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آدمیوں کے ہمراہ پٹواری کو بھیج دیا تاکہ وہ خود وہاں جا کر تحقیق کرے اور پھر آ کر بتائے۔ دوسری شام ہمیں پٹواری کی رپورٹ پہنچ گئی اور اس کے ہمراہ مویشی خانے کے قریب ہموار زمین پر چیتے کے پنجوں کے نشان کا ایک خاکہ بھی تھا۔ رپورٹ میں درج تھا کہ دو سو آدمی سارا دن گرد و نواح کی وادی میں گلتو کی لاش کا بچا کھچا حصہ تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے اور انہوں نے اپنی تلاش کو اگلے دن تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ خاکے پر چھ دائرے لگے تھے۔ اندرونی دائرہ ایک پلیٹ جتنا بڑا تھا اور اسی تناسب سے پانچ بڑے دائرے اس کے گرد تھے۔ یہ تمام دائرے پرکار سے بنائے گئے تھے۔ پانچ دن بعد جب میں اور ایبٹ سن پل کے مینار پر بیٹھنے کی تیاری کر رہے تھے تو لوگوں کا ایک جلوس بنگلے پہنچا۔ جلوس کے آگے آگے ایک آدمی تھا جو زور زور سے احتجاج کر رہا تھا کہ اس نے کوئی ایسا جرم سرزد نہیں کیا جو اس کے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا تھا اور اسے پکڑ کر ردر پریاگ لایا گیا تھا۔ وہ مشتعل آدمی گلتو تھا۔ جب ہم نے اسے تسلی دی تو اس نے ذیل کا قصہ سنایا۔ جس شام وہ گھر سے مویشی خانے میں سونے کی نیت سے روانہ ہوا تھا تو اس شام کچھ دیر پہلے اس کے بیٹے نے اسے بتایا کہ اس نے بیلوں کی ایک جوڑی ایک سو روپے میں خریدی تھی گلتو کے خیال کے مطابق اس جوڑی کی قیمت ستر روپے ہونی چاہئے تھی۔ محنت سے کمائے ہوئے روپے کے یوں ضائع جانے پر گلتو کو بڑا غصہ آیا' رات کو مویشی خانے میں سونے کے بعد وہ صبح سویرے دس میل دور ایک دوسرے گاؤں کی طرف چل پڑا جہاں اس کی ایک لڑکی بیاہی ہوئی تھی لیکن جب وہ گاؤں واپس آیا تو پٹواری نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی تھی کہ آخر اسے کیوں گرفتار کیا گیا تھا۔ جب اسے ساری بات بتائی تو وہ زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔ ادھر تو دو سو آدمی اس کی لاش تلاش کرنے میں مصروف تھے اور ادھر وہ اپنی بیٹی کے گھر آرام سے لیٹا تھا۔

ایبٹ سن جھولا نما پل کے مینار کی چھت پر تیز ہوا کی زد میں ساری رات لیٹنے

کے خلاف تھے۔ چونکہ لکڑی اور ترکھان دستیاب ہو سکتے تھے۔ لہٰذا ایبٹ سن نے محراب کے اوپر ایک پلیٹ فارم بنانے کا حکم دیا۔ ایبٹ سن زیادہ سے زیادہ پانچ راتیں ردر پریاگ ٹھہر سکتے تھے وہ راتیں ہم نے اس پلیٹ فارم پر بسر کیں۔

ایبٹ سن کے جانے کے بعد چیتے نے ایک کتا' چار بکریاں اور دو گائیں ہلاک کیں۔ کتا اور بکریاں تو اس نے اسی رات کھا لیں جس رات انہیں ہلاک کیا گیا تھا چنانچہ میں دونوں گائے کے قریب چیتے کے انتظار میں بیٹھتا۔ دوسری رات جب میں پہلی گائے کے قریب گھات لگائے بیٹھا تھا تو چیتا آیا۔ لیکن جب میں رائفل اٹھا کر نشانہ لینے میں مصروف تھا اور برقی ٹارچ جلانے ہی والا تھا کہ میرے مکان سے ملحقہ مکان کا دروازہ ایک عورت نے کھٹکھٹا کر بدقسمتی سے چیتے کو ڈرا دیا۔

اس عرصے میں کوئی انسانی موت وقوع پذیر نہ ہوئی۔ لیکن آدم خور نے ایک عورت اور اس کے بچے کو بری طرح زخمی کیا۔ وہ عورت اپنے بچے کے ہمراہ جس کمرے میں سوئی ہوئی تھی چیتا اس کا دروازہ زبردستی کھول کر کمرے کے اندر گھس گیا اور عورت کو بازو سے پکڑ کر باہر گھسیٹنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے عورت دل کی بڑی مضبوط تھی اور اس نے اپنے حواس برقرار رکھے۔ جب چیتا اسے گھسیٹ کر دروازے تک لایا اور اسے چھوڑ کر اس ارادے سے دروازے کے باہر گیا کہ وہاں کھڑے ہو کر اسے دوبارہ پکڑ کر باہر گھسیٹ لے تو عورت ایک دم اٹھی اور اس نے پھرتی سے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ عورت کے بازو اور سینے پر گہرے زخم آئے تھے۔ مگر بچے کے سر پر فقط ایک زخم لگا تھا۔ اگلی دو راتیں میں نے اس کمرے میں گزاریں مگر چیتا نہ آیا۔

مارچ کے آخر میں ایک روز میں کیدار ناتھ یاترا سڑک پر ایک گاؤں دیکھنے کے بعد واپس آ رہا تھا کہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں سڑک دریائے منڈاکنی کے بالکل قریب آ جاتی ہے اور جہاں دس سے بارہ فٹ بلند ایک آبشار ہے۔ میں نے دریا کے دوسرے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کنارے' آبشار کے اختتام' پر چند لوگوں کو ایک چٹان پر بیٹھے دیکھا۔ انہوں نے ایک تکونی جال ایک لمبے بانس کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ پانی کے شور میں کسی قسم کی گفتگو کا امکان نہ تھا لہٰذا میں سڑک چھوڑ کر آبشار کے ادھر ایک چٹان پر آرام کرنے اور سگریٹ پینے کی نیت سے بیٹھ گیا۔ اس دن میں نے بہت سفر کیا تھا۔ اس کے علاوہ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ آدمی کیا کر رہے تھے۔

اتنے میں ایک آدمی نے بڑی جذباتی آواز میں آبشار کے پیندے کی جانب جھاگ چھوڑتے ہوئے پانی کی طرف اشارہ کیا اور اس کے دو ساتھیوں نے بڑی پھرتی سے بانس سے بندھے ہوئے تکونی جال کو پانی کے نزدیک کر دیا۔ کئی ایک مچھلیاں جو مختلف جسامت کی تھیں اور پانچ سے پچاس پونڈ تک وزنی تھیں آبشار میں کودنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ایک مچھلی جو تقریباً دس پونڈ کی تھی جونہی آبشار میں کودی ان لوگوں نے اسے جال میں پھنسا لیا۔ ان آدمیوں نے مچھلی کو جال میں سے نکال کر ٹوکرے میں ڈالا اور جال کو پھر پانی کے نزدیک کر دیا۔ میں تقریباً ایک گھنٹہ یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ اس دوران میں انہوں نے چار بڑی بڑی مچھلیاں پکڑیں۔

جب میں پچھلی دفعہ رودر پریاگ آیا تھا تو بنگلے کے چوکیدار نے مجھے بتایا تھا کہ بہار کے موسم میں برف کا پانی آنے سے پہلے الک نندہ اور منڈاکنی میں مچھلیوں کی بھاری تعداد پائی جاتی ہے لہٰذا اس دفعہ میں مچھلیاں پکڑنے کے سامان سے لیس ہو کر آیا تھا۔

اگلی صبح آدم خور کی کوئی خبر نہ آئی لہٰذا میں مچھلی پکڑنے کا سامان لے کر آبشار کی سمت چل پڑا۔

گزشتہ دن کی طرح کوئی مچھلی آبشار میں کود نہ رہی تھی۔ دریا کی دوسری سمت وہی آدمی ایک دائرے کی شکل میں بیٹھے حقہ گڑ گڑا رہے تھے۔ وہ مجھے دلچسپی سے دیکھنے لگے۔

آبشار کے نیچے تیس سے چالیس گز چوڑا ایک تالاب تھا جس کے دونوں جانب چٹانوں کی دیواریں تھیں۔ یہ دونوں دیواریں کوئی دو سو گز لمبی تھیں۔ میں تالاب کے سر پر بیٹھا تھا۔ اور وہاں سے فقط ایک سو گز دور تک دیواریں دکھائی دیتی تھیں۔ اس خوبصورت تالاب کا پانی بیحد شفاف تھا۔

جہاں میں بیٹھا تھا وہاں سے چٹان کی دیوار کوئی بارہ فٹ اونچی تھی اور بیس گز تک اتنی ہی اونچی رہنے کے بعد بتدریج بلند ہوتی گئی تھی اور آخر ایک سو فٹ تک اونچی ہو گئی تھی۔ میری طرف پانی میں اترنا ناممکن تھا۔ اور اگر کوئی مچھلی پھنس بھی جاتی تو چٹانی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے چل کر درخت اور جھاڑیاں آ جاتی تھیں۔ اور تالاب کے آخر پر دریا ایک تیز رفتار موج کی صورت میں الک نندہ سے مل جاتا تھا۔

میری سمت تالاب میں پانی گہرا تھا مگر وہاں سے تھوڑی دور آگے تقریباً چھ فٹ گہرا پانی تھا۔ وہ رواں پانی تھا اور اس کی تہہ میں پتھر وغیرہ صاف دکھائی دیتے تھے۔ وہاں پانی میں تین سے دس پونڈ وزنی مچھلیاں آہستہ آہستہ پانی کے بہاؤ کی سمت جا رہی تھیں۔

جب میں پانی سے بارہ فٹ اوپر مچھلی پکڑنے والا کانٹا ہاتھ میں لئے پانی کی سمت دیکھ رہا تھا تو اچانک گہرے پانی سے ایک بڑی مچھلی نکل کر کم گہرے پانی کی طرف تیرنے لگی۔ اس کے تعاقب میں تین اور بڑی مچھلیاں تھیں۔ میں نے جلدی سے کانٹے کو گوپے کی طرح گھما کر پانی میں پھینک دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ پانی میں جس جگہ کانٹا گرا وہاں وہ تینوں بڑی مچھلیاں پہنچ چکی تھیں اور سب سے اگلی مچھلی نے کانٹے پر لگے ہوئے گوشت کو خدا کی دین سمجھ کر بمعہ کانٹے کے ایک دم ہڑپ کر لیا۔

اونچی جگہ سے مچھلی کا شکار کرنے میں خاصی دقت پیش آتی ہے لیکن میری مضبوط بنسی نے یہ دقت زیادہ محسوس نہ ہونے دی اور اس نے مچھلی کا بوجھ بخوبی سنبھال لیا۔ پہلے چند لمحے تو مچھلی کو پتہ نہ چل سکا کہ اس کے ساتھ کیا بیت گئی تھی۔ میرا کانٹا اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے منہ میں مضبوطی سے گڑ چکا تھا۔ پھر وہ اپنا سر ادھر ادھر مارنے لگی اور آخر غصے میں پانی کو چیرتی ہوئی بہاؤ کی سمت بھاگ پڑی۔

مچھلی کی پہلی دوڑ میں تقریباً ایک سو گز ڈوری ریل سے اتر گئی لیکن چرکھڑی پر ابھی بہت سی ڈوری باقی تھی۔ مچھلی اب تالاب کے آخری کنارے پر پہنچ چکی تھی اور خطرہ تھا کہ کہیں وہ تیز رو پانی میں نیچے نہ اتر جائے۔ میں نے ڈوری کو ذرا کس کر مچھلی کا رخ دوبارہ اپنی سمت پھیر لیا اور وہ پانی کے بہاؤ کے مخالف تیرنے لگی۔ اب وہ موڑ گزر کر سو گز دور پانی میں میری نگاہ کی زد میں آ گئی تھی۔ پھر میں آہستہ آہستہ مچھلی کو کھینچ کر اپنے نیچے پانی میں لے آیا۔

اب میں اس تذبذب میں تھا کہ مچھلی کو کھینچ کر دیوار کے اوپر کیسے لایا جائے۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ نیچے پانی میں اتر کر مچھلی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ابھی میں نے یہ فیصلہ کیا ہی تھا کہ ایک سایہ میرے پیچھے پانی میں نمودار ہوا۔ اس شخص نے آتے ہی کہا کہ میں نے بہت بڑی مچھلی پکڑی تھی اور پھر ایک ہی سانس میں پوچھ گیا کہ میں اسے اوپر کس طرح لاؤں گا۔ میں نے اسے بتایا کہ اسے ڈوری کے ذریعے کھینچ کر اوپر لانا تو ناممکن تھا لہٰذا اسے دو حصوں میں کاٹ لینا ہی بہتر ہو گا۔ میرا یہ جواب سن کر اس نے کہا۔ "صاحب ذرا ٹھہریں! میں اپنے بھائی کو لاتا ہوں۔" جب وہ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ واپس آیا تو اس کے بھائی کے ہاتھ پاؤں گوبر سے بھرے ہوئے تھے جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ مویشی خانہ صاف کر رہا تھا۔ میں نے اسے نہانے کے لئے بھیج دیا اور بڑے بھائی کے ساتھ مچھلی کو چٹان کے اوپر لانے کی ترکیب سوچنے لگا۔

جہاں ہم کھڑے تھے وہاں سے چٹان میں چند انچ چوڑی ایک دراڑ نیچے کی سمت جاتی تھی اور پانی سے تقریباً چھ انچ اوپر ختم ہو جاتی تھی۔ آخر ہم نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ اس کا چھوٹا بھائی جو ہاتھ اور پاؤں دھو کر اب واپس آ چکا تھا' اس دراڑ میں اتر کر پانی تک جائے اور اس کا بڑا بھائی بھی دراڑ میں اترے اور چھوٹے بھائی کا ایک ہاتھ

پکڑے اور میں چٹان پر لیٹ کر بڑے بھائی کا دوسرا ہاتھ پکڑ لوں۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے سے پہلے میں نے دونوں بھائیوں سے پوچھا کہ کیا انہیں تیرنا اور مچھلی پکڑنا آتا تھا۔ انہوں نے ہنس کر یہ جواب دیا کہ وہ بچپن سے یہی کام کرتے چلے آئے تھے۔

اس منصوبے میں ایک خامی یہ تھی کہ میں بیک وقت بنسی اور بڑے بھائی کا ہاتھ نہ پکڑ سکتا تھا۔ بہرحال تھوڑا سا خطرہ تو مول لینا ہی پڑتا تھا۔ میں نے بنسری کو چٹان پر رکھ دیا اور ڈوری ایک ہاتھ میں پکڑ لی۔ جب دونوں بھائی دراڑ میں اتر کر اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے تو میں نے چٹان پر لیٹ کر بڑے بھائی کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر میں آہستہ آہستہ ڈوری کو اپنے ہاتھ اور دانتوں میں باری باری دبا کر مچھلی کو چٹان کی سمت کھینچنے لگا لیکن ابھی مچھلی چٹان کے ساتھ چھوئی نہ تھی کہ چھوٹے بھائی نے اپنے دوسرے ہاتھ سے مچھلی کی گردن مضبوطی سے پکڑ لی۔ اس وقت تک مچھلی بڑی شرافت سے کام لیتی رہی لیکن جب اس نے دیکھا کہ اسے گلے سے پکڑ لیا گیا ہے تو وہ اپنے پورے زور سے پانی میں تڑپی اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ ابھی ہم تینوں سر کے بل پانی میں گر پڑیں گے۔

دونوں بھائی ننگے پاؤں تھے۔ جب ڈوری کو ہاتھ میں مزید پکڑنے کی ضرورت نہ رہی اور میرا دوسرا ہاتھ بھی آزاد ہو گیا تو میں دونوں ہاتھوں سے اپنی پوری طاقت کے ساتھ دونوں بھائیوں کو اوپر کی سمت کھینچنے لگا اور ادھر وہ بھی دونوں اپنے پنجوں کو چٹانوں کی نکڑوں میں اٹھا کر اوپر چڑھنے لگے۔

جب مچھلی حفاظت سے چٹان تک پہنچ گئی تو میں نے دونوں بھائیوں سے پوچھا کہ کیا وہ مچھلی کھاتے ہیں۔ انہوں نے بڑی مستعدی سے ہاں میں جواب دیا۔ موجودہ مچھلی کوئی تیس پونڈ تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر وہ ایک اور مچھلی پکڑنے میں میری مدد کریں تو یہ مچھلی میں انہیں دے سکتا ہوں اس شرط پر وہ بخوشی رضامند ہو گئے۔

کانٹا مچھلی کے حلق میں دور تک چلا گیا تھا۔ لہٰذا اس کا حلق چیر کر کانٹا نکالا گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں بھائی یہ عمل بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔ بڑی بڑی مچھلیاں آبشار کے پیندے میں تھیں۔ جہاں میں کھڑا تھا مچھلی کے شکار کے لئے آس پاس اس سے بہتر جگہ نہ مل سکتی تھی لہٰذا میں بنسی اور کانٹا لے کر پھر سے کھڑا ہو گیا۔

پہلی مچھلی نے کانٹا لگنے کے بعد پانی میں جو افراتفری مچائی تھی اس سے دوسری مچھلیاں ادھر ادھر بھاگ گئی تھیں لیکن اب وہ پھر تالاب میں میری جگہ سے کچھ فاصلے پر جمع ہونے لگی تھیں۔ اتنے میں دونوں بھائیوں نے چلا کر کم گہرے پانی کی سمت اشارہ کیا۔ وہاں ایک بڑی مچھلی پانی کے بہاؤ کی سمت جا رہی تھی۔ ابھی میں نے کانٹا نہ پھینکا تھا کہ وہ گہرے پانی میں غائب ہو گئی مگر جلد ہی وہ دوبارہ نمودار ہوئی اور جونہی وہ کم گہرے پانی کی طرف بڑھی میں نے کانٹا اس کے سامنے پھینک دیا۔ مچھلی نے ابھی تک کانٹے کو نہ دیکھا تھا۔ میں کانٹے کو چھوٹے چھوٹے جھٹکے دے کر اپنی سمت کھینچنے لگا۔ جونہی مچھلی نے اسے دیکھا وہ اس کی سمت لپکی اور اگلے لمحے اسے نگل گئی۔ دوسرے لمحے کانٹا مضبوطی سے اس کے منہ میں پھنس چکا تھا۔ مچھلی نے بڑی تیزی سے پیچھے کی جانب پلٹا کھایا اور دیوانہ وار پانی کے بہاؤ کی سمت بھاگی۔ دوسرے کنارے پر کچھ مزید آدمی جمع ہو گئے تھے۔ سب کے سب یہ ساری کارروائی بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

چرخڑی پر سے ڈوری بڑی سرعت سے اتر رہی تھی۔ دونوں بھائی مجھے مشورہ دینے لگے کہ میں مچھلی کو تالاب کے آخری کنارے تک نہ جانے دوں۔ یہ بات کہنی آسان مگر اس پر عمل کرنا مشکل تھا۔ بڑی مچھلی کی پہلی ڈور کو قابو میں کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے اس کی مخالفت کرنے سے یا تو ڈوری ٹوٹ جاتی ہے یا پھر کانٹا مچھلی کا جبڑا پھاڑ کر باہر نکل آتا ہے۔ خوش قسمتی نے ہمارا ساتھ دیا جب ڈوری پچاس گز سے بھی کم رہ گئی تو میں مچھلی کو تالاب کے موڑ پر لانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر وہاں سے آہستہ آہستہ اپنے عقب والے پانی میں لے آیا۔

دوسری مچھلی کو چٹان کے اوپر لانے میں بھی ہم نے وہی طریقہ اختیار کیا جو پہلی مچھلی کے سلسلے میں کیا تھا۔

دونوں مچھلیوں کی لمبائی ایک جیسی تھی مگر دوسری مچھلی قدرے بھاری تھی۔ بڑا بھائی اپنے حصے کی مچھلی کندھے پر اٹھا کر بڑے فاتحانہ انداز میں اپنے گاؤں کی سمت چل پڑا لیکن چھوٹے بھائی نے مجھ سے درخواست کی کہ وہ میری مچھلی اٹھا کر میرے ہمراہ بنگلے تک جائے گا۔ میں نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ مچھلی اٹھانے سے پہلے اس نے مجھ سے کہا تھا۔ "اگر آپ مچھلی اور بنسی مجھے اٹھانے کی اجازت دیں اور مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر میرے پیچھے پیچھے چلیں تو راستے میں جو شخص بھی مجھے دیکھے گا وہ یہی سمجھے گا کہ یہ مچھلی میں نے پکڑی ہے۔ ایسی مچھلی اس علاقے کے کسی شخص نے زندگی بھر نہ دیکھی ہو گی۔"

○

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بکرے کی موت

مارچ کے آخری دن ایبٹ سن پوری سے واپس آ گئے۔ اگلی صبح ہم ناشتہ کر رہے تھے تو ہمیں رپورٹ ملی کہ گزشتہ شب رودر پریاگ کے شمال میں ایک گاؤں میں چیتا بار بار آیا تھا۔ وہ گاؤں اس جگہ سے ایک میل دور تھا جہاں ہم نے ایک چیتے کو پھندے میں گرفتار کر کے ہلاک کیا تھا۔

اس گاؤں سے نصف میل شمال کی جانب اور بڑے پہاڑ کے سامنے کئی پھٹی اور غیر ہموار زمین کا ایک خاصا بڑا ٹکڑا تھا۔ وہاں بہت سی چٹانیں' غاریں اور سوراخ تھے۔ مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ ان کے آباؤ اجداد وہاں سے تانبا نکالا کرتے تھے۔ اس سارے علاقے میں جھاڑیوں کا ایک جنگل پھیلا ہوا تھا جو کہیں سے گھنا اور کہیں سے چھدرا تھا۔ وہ جنگل سے نصف میل دور کھیتوں تک پھیلا ہوا تھا۔

مجھے دیر سے شک تھا کہ چیتا جب رودر پریاگ کے گرد و نواح میں ہوتا تھا تو وہ دن کے وقت وہاں چھپتا ہو گا۔ چونکہ چیتے دھوپ میں لیٹنے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں اس کی تلاش میں پہلے بھی کئی مرتبہ صبح کے وقت وہاں گیا تھا۔ جب چیتا دھوپ میں لیٹا ہو تو اسے شکار کرنا بڑا آسان ہوتا ہے۔ فقط ذرا سی احتیاط اور نشانے کی درستی چاہئے۔

دوپہر کا کھانا وقت سے ذرا پہلے کھانے کے بعد میں اور ایبٹ سن اپنی اپنی 275 کی رائفلیں لے کر ایک ملازم کے ہمراہ اس گاؤں کی سمت چل پڑے۔ گاؤں سے ہم نے ایک جوان بکرا خریدا۔ میں نے اب تک جتنے بکرے خریدے تھے چیتے نے وقتاً فوقتاً انہیں ہلاک کر دیا تھا۔

گاؤں سے ایک پگڈنڈی پہاڑی کے اوپر سے ہو کر سیدھی ان چٹانوں اور غاروں کی طرف جاتی تھی۔ وہاں سے وہ بائیں جانب مڑ جاتی اور پھر پہاڑ کے شانے کی طرف چلی جاتی تھی یہ پگڈنڈی جس جگہ پہاڑی سے گزرتی تھی وہاں اس کے بالائی کنارے پر اکا دکا جھاڑیاں اور نچلے کنارے پر گھاس اگی ہوئی تھی۔

ہم نے بکرے کو جھاڑیوں کے بل سے دس گز دور پگڈنڈی کے کنارے زمین میں کلہ گاڑ کر مضبوط رسے سے باندھ دیا اور خود ڈیڑھ سو گز دور بلند جھاڑیوں کے عقب میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ بکرا زور زور سے ممیا رہا تھا۔ اس کا رسہ بے حد مضبوط تھا اور اس بات کا امکان نہ تھا کہ چیتا اسے اٹھا کر لے جائے گا لہٰذا ہمیں اس کی نگرانی کی ضرورت نہ تھی۔

جب ہم چٹانوں کے عقب میں بیٹھے تھے تو سورج کیدار ناتھ کے اوپر برف پوش پہاڑوں کے پیچھے غروب ہونے والا تھا۔ نصف گھنٹے کے بعد جب سایوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا تو بکرے نے ایک دم ممیانا بند کر دیا۔ میں نے چٹان کے عقب سے آنکھ نکال کر بکرے کی طرف دیکھا تو اس کے کان کھڑے تھے اور وہ جھاڑیوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔ پھر بکرے نے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور جہاں تک رسے نے اجازت دی پیچھے کی سمت بھاگا۔

بلاشبہ چیتا آ پہنچا تھا۔ یہ امر کہ بکرے کے چوکنا ہونے سے پہلے وہ اس پر پل کیوں نہ پڑا تھا۔ اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ اسے کوئی شک پڑ گیا تھا۔ ایبٹ سن کا نشانہ مجھ سے زیادہ درست تھا کیوں کہ ان کی رائفل کے آگے دوربین کا شیشہ نصب تھا۔ لہٰذا میں نے اپنی جگہ انہیں دے دی۔ جب وہ زمین پر لیٹ کر رائفل سے نشانہ باندھ رہے تھے تو میں نے ان کے کان میں سرگوشی کی کہ وہ ان جھاڑیوں کی سمت غور سے دیکھیں جدھر بکرا دیکھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر بکرا چیتے کو دیکھ سکتا تھا تو ایبٹ سن بھی اپنی طاقت ور دوربین کی مدد سے اسے دیکھنے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ چند منٹ تک وہ دوربین میں جھاڑیوں کی سمت دیکھتے رہے پھر انہوں نے نفی میں سر ہلایا اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رائفل زمین پر رکھ کر میرے لئے جگہ چھوڑ دی۔

بکرا بدستور پہلے جیسی پوزیشن میں کھڑا تھا۔ میں بھی دوربین کی مدد سے جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اس دوربین میں سے پلک جھپکنے یا اس سے ہلکی جنبش بھی دکھائی دے سکتی تھی۔ میں بھی کتنی دیر تک دیکھتا رہا مگر کوئی چیز دکھائی نہ دی۔

جب میں نے دوربین سے آنکھ اٹھائی تو مجھے احساس ہوا کہ روشنی بڑی تیزی سے گھٹ رہی تھی اور بکرا اب پہاڑی پر فقط ایک سرخ و سفید دھبہ دکھائی دیتا تھا۔ ہم نے خاصا طویل سفر کرنا تھا اور مزید انتظار بے فائدہ ہونے کے علاوہ خطرناک بھی تھا۔ لہٰذا زمین سے اٹھتے ہوئے میں نے ایبٹ سن سے کہا کہ اب ہمیں واپس چلنا چاہئے۔

ہم بکرے کے پاس گئے۔ اس نے جب سے ممیانا بند کیا تھا بعد کے عرصے میں ایک آواز بھی نہ نکالی تھی۔ ہم نے کھونٹے سے اس کا رسہ کھول دیا اور اسے اپنے ملازم کے حوالے کر کے گاؤں کی سمت چل پڑے۔ بکرے کو پہلے کبھی کسی نے رسے سے نہ باندھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہمارے ملازم نے اسے رسے کی مدد سے آگے چلنے پر مجبور کیا تو اس نے بڑی شدت سے اعتراض کیا اور اپنی جگہ پر جم کر کھڑا ہو گیا۔ لہٰذا میں نے ملازم سے کہا کہ وہ اس کی گردن سے رسہ کھول دے۔ میرا تجربہ تھا کہ جس کسی بکری وغیرہ کو جنگل میں باندھنے کے بعد آزاد کیا جائے تو وہ خوف کے سبب یا رفاقت کی خواہش کے تحت ایک کتے کی طرح پیچھے پیچھے چلنے لگتی ہے لیکن یہ بکرا اپنی مرضی کا مالک نکلا۔ جونہی ملازم نے اس کی گردن سے رسہ اتارا وہ پہاڑی کی طرف پگڈنڈی پر بھاگ گیا۔

ممیانے والے بکرے یا بکری کو چھوڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔ اس نے ایک دفعہ چیتے کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور دوبارہ بھی کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ہم نے فقط چند گھنٹے پہلے اس کے عوض اچھی خاصی رقم ادا کی تھی۔ لہٰذا ہم اسے پکڑنے کے لئے پگڈنڈی پر تیزی سے بھاگے۔ موڑ پر آ کر بکرا بائیں جانب گھوم گیا اور ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس خیال کے تحت کہ بکرا شارٹ کٹ راستے سے گاؤں کی طرف جا رہا ہو گا'

ہم بھی واپس مڑ گئے۔ میں سب سے آگے تھا۔ ابھی ہم بمشکل ایک سو گز گئے ہوں گے کہ پگڈنڈی پر اپنے سامنے مجھے کوئی سفید سی چیز دکھائی دی۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بکرا پگڈنڈی پر لیٹا تھا اور اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا۔ جب میں نے اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا تو اس کے پٹھے ابھی تک پھڑ پھڑا رہے تھے۔

آدم خور کے سوا کوئی دوسرا چیتا بکرے کو ہلاک کر کے اسے پگڈنڈی پر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چیتے نے ہمیں مخاطب کر کے کہا ہو۔ "اگر آپ کو بکرے کی اتنی ہی ضرورت ہے تو یہ رہا وہ۔ اب اندھیرا پھیل چکا ہے اور تم نے ابھی طویل سفر کرنا ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم میں سے کون صحیح و سلامت گاؤں پہنچتا ہے۔"

اگر میرے پاس خوش قسمتی سے دیا سلائی کی ڈبیا نہ ہوتی تو مجھے یقین تھا کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی بخیریت گاؤں نہ پہنچ سکتا تھا۔ میں ایک دیا سلائی جلا لیتا اور ادھر ادھر دیکھ لیتا۔ اور ہم چند قدم آگے بڑھ جاتے۔ جب تک دیا سلائی کی ڈبیا ختم نہ ہوئی یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب میں نے آخری دیا سلائی جلائی تو ہم گاؤں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ گاؤں سے باہر ہم نے لوگوں کو بلند آوازیں دیں اور وہ لالٹینیں اور مشعلیں لے کر ہمیں لینے کے لئے گھروں سے باہر نکل آئے۔

چیتے نے بکرے کو جس جگہ ہلاک کیا تھا ہم اسے وہیں چھوڑ آئے تھے۔ جب دوسری صبح میں اسے دیکھنے کے لئے گاؤں سے نکلا تو مجھے آدم خور کے پنجوں کے نشان دکھائی دیئے۔ اس نے گاؤں تک ہمارا تعاقب کیا تھا۔ جہاں تک بکرے کا تعلق ہے چیتے نے اسے چھوا تک نہ تھا۔

○

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لاش میں زہر

بکرے کو دیکھنے کے بعد جب میں واپس بنگلے آ رہا تھا تو گاؤں میں لوگوں نے بتایا کہ مجھے فوری طور پر رودر پریاگ طلب کیا گیا تھا۔ ایک اطلاع کے مطابق آدم خور نے گزشتہ شب ایک انسان ہلاک کر دیا تھا۔ مجھ تک خبر لانے والا شخص مجھے یہ بتانے سے قاصر تھا کہ انسانی ہلاکت کس جگہ ہوئی تھی۔ لیکن جیسا کہ آدم خور کے پنجوں کے نشانوں سے پتہ چلتا تھا کہ ہم میں سے کسی ایک کو اپنا شکار بنانے میں ناکام ہونے پر وہ پہاڑ کی دوسری سمت چلا گیا ہو گا۔ بعد میں میرا یہ قیاس صحیح ثابت ہوا۔

بنگلے پر ایبٹ سن نندرام نامی ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ گزشتہ شب جن چٹانوں میں ہم چھپ کر بیٹھے تھے نندرام کا گاؤں وہاں سے چار میل دور تھا۔ اس گاؤں سے نصف میل شمال کی سمت اور ایک ندی کے قریب ایک اچھوت شخص نے تھوڑی سی زمین صاف کر کے وہاں اپنا مکان بنا رکھا تھا۔ اس شخص کا نام گوایا تھا اور مکان میں گوایا' اس کی ماں' اس کی بیوی اور تین بچے رہتے تھے۔ اس صبح نندرام نے گوایا کے مکان کی سمت سے عورتوں کے بین سنے تھے۔ اس کے پوچھنے پر بتایا گیا کہ فقط نصف گھنٹہ پہلے گھر کے "تاج" کو آدم خور اٹھا لے گیا تھا۔ یہ خبر ملتے ہی نندرام بھاگم بھاگ بنگلے پہنچ گیا تھا۔

ایبٹ سن نے گھوڑوں پر زین ڈالنے کا حکم دے رکھا تھا۔ جب دونوں گھوڑیاں تیار ہو گئیں تو ہم نے نندرام کے ہمراہ اس گاؤں کی سمت چل پڑے۔ پہاڑی کے اوپر کوئی راستہ نہ تھا۔ فقط دشوار گزار پگڈنڈیاں تھیں۔ بھاری بھرکم گھوڑیوں کے لئے ان پگڈنڈیوں پر چلنا اور خطرناک موڑوں سے گزرنا مشکل تھا لہٰذا ہم نے انہیں واپس بھیج

دیا اور پیدل چلنے لگے۔

جب ہم دوپہر کے قریب گوایا کے الگ تھلگ مکان پر پہنچے تو اس کی ماں اور بیوی نے جو ابھی تک یہ امید لگائے بیٹھی تھیں کہ شاید ہم گوایا کو چیتے کے منہ سے زندہ واپس لے آئیں' ہمیں وہ جگہ دکھائی جہاں گوایا بیٹھا تھا اور اسے چیتا اٹھا کر لے گیا تھا۔ چیتے نے اس بدنصیب انسان کو گلے سے پکڑا تھا جس کے سبب وہ شور نہ مچا سکا۔ پھر سے ایک سو گز تک گھسیٹنے کے بعد ہلاک کر دیا۔ اور پھر اسے اٹھا کر چار سو گز دور گھنی جھاڑیوں کے درمیان گھری ہوئی ایک نشیبی جگہ میں لے گیا۔ عورتوں کے واویلے اور نندرام کے شور نے چیتے کو شک میں ڈال دیا اور وہ اپنا شکار چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے اپنے شکار کی گردن' جبڑے' کندھے اور ان پر سے تھوڑا سا گوشت کھایا تھا۔

آس پاس کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ہم بیٹھ سکتے لہٰذا چیتے نے جہاں جہاں سے گوشت کھایا تھا۔ ہم نے وہاں سائنائیڈ رکھ دیئے۔ چونکہ اب شام ہو رہی تھی لہٰذا ہم وہاں سے ہٹ کر چند سو گز دور پہاڑی پر ایک ایسی جگہ بیٹھ گئے جہاں سے وہ نشیب صاف دکھائی دیتا تھا جس میں لاش پڑی تھی۔ چیتا بلاشبہ گھنے جنگل میں چھپا تھا۔ اگرچہ ہم اپنی کمین گاہ میں دو گھنٹے چھپ کر بیٹھے رہے مگر چیتا دکھائی نہ دیا۔ شام کے وقت ہم نے لالٹین روشن کی اور بنگلے کی سمت چل پڑے۔

اگلی صبح ابھی تھوڑا تھوڑا اندھیرا تھا کہ بنگلے سے روانہ ہو پڑے اور جب روشنی پھیلنے کے وقت اس پہاڑی پر جا پہنچے تو وہاں ہمیں نہ تو چیتا دکھائی دیا اور نہ ہی کوئی آواز سنائی دی۔ جب سورج طلوع ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا تو ہم روشنی کے قریب گئے۔ چیتے نے ان تین جگہوں کو بالکل نہ چھوا تھا۔ جہاں ہم نے زہر چھپایا تھا۔ لیکن دوسری جگہوں سے اس نے پیٹ بھر کر گوشت کھایا تھا۔ اور پھر لاش کو گھسیٹ کر تھوڑی دور پرے جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا۔

یہاں بھی آس پاس کوئی درخت نہ تھا جس پر ہم بیٹھ سکتے۔ آخر طویل بحث کے بعد فیصلہ ہوا کہ ایبٹ سن گاؤں کی سمت ایک میل دور راستے کے کنارے آم کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک درخت پر مچان بنا کر رات وہاں بسر کریں۔ اور میں لاش سے چار سو گز دور پگڈنڈی کے کنارے ساگوان کے اس درخت کے اوپر رات بسر کروں جس کے نیچے میں نے چیتے کے پنجوں کے نشان دیکھے تھے۔

اس درخت کو کئی برس پہلے زمین سے پندرہ فٹ اوپر سے کاٹ دیا گیا تھا لیکن اب تک مضبوط شاخیں دوبارہ نکل آئی تھیں اور ان کے درمیان میں خود کو بڑا باآرام محسوس کر رہا تھا۔

میرے سامنے ایک ایسی پہاڑی ڈھلوان تھی جس پر بانس کے درخت اور مختلف اقسام کی گھنی جھاڑیاں اگی تھیں۔ پہاڑی کے اوپر مشرق سے مغرب کی جانب اب پگڈنڈی جاتی تھی۔ ساگوان کا درخت اس پگڈنڈی سے دس فٹ نیچے تھا۔

درخت پر اپنی جگہ سے میں دس گز تک بلا روک ٹوک دیکھ سکتا تھا۔ پگڈنڈی میری بائیں جانب ایک ندی میں سے گزرتی تھی۔ پھر وہاں سے کوئی تین سو گز دور میری دائیں جانب ان جھاڑیوں کے قریب سے گزرتی تھی جن میں چیتے نے لاش چھپا رکھی تھی۔ جہاں سے یہ پگڈنڈی ندی میں سے گزرتی تھی وہاں ندی میں پانی نہ تھا مگر تیس گز نیچے کی سمت اور میرے درخت کی جڑ سے کوئی چار پانچ گز نیچے پانی چھوٹے چھوٹے تالابوں کی شکل میں جمع تھا۔ وہ تالاب ایک چھوٹے چشمے کا مخزن تھے جو دیہاتیوں کے لئے پینے کا پانی اور ان کی فصلوں کے لئے زرعی پانی مہیا کرتا تھا۔

پگڈنڈی کا دس گز لمبا حصہ جسے میں بلا روک ٹوک دیکھ سکتا تھا' اس کے ساتھ ہی زاویہ قائمہ کی شکل میں ایک دوسری پگڈنڈی مل جاتی تھی جو تین سو گز دور گوایا کے مکان کی طرف سے آتی تھی۔ اس پگڈنڈی سے تیس گز اوپر ایک موڑ تھا اور اس موڑ سے ایک نشیب نچلی پگڈنڈی کی سمت جاتا تھا۔ وہ جگہیں جہاں سے نشیب شروع اور جہاں ختم ہوتا تھا میری نگاہ سے اوجھل تھا۔

چاندنی رات ہونے کے سبب برقی ٹارچ کی ضرورت نہ تھی اور اگر چیتا گوایا کے مکان کی طرف سے پگڈنڈی کے ساتھ ساتھ آتا' جیسا کہ اس کے پنجوں کے نشانوں سے

پتا چلتا تھا کہ اس نے گزشتہ روز کیا تھا' تو اس صورت میں تیس فٹ کے فاصلے سے میں اس پر آسانی سے گولی چلا سکتا تھا۔

میں پہاڑی کے نیچے تھوڑی دور تک ایبٹ سن کے ساتھ گیا مگر سورج غروب ہونے سے پہلے درخت پر آکر بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد پہاڑی کے اوپر سے دو جنگلی مرغیاں اور ایک مرغ اترے اور چشمے سے پانی پینے کے بعد جدھر سے آئے تھے اسی راستے لوٹ گئے۔ دونوں دفعہ وہ میرے درخت کے نیچے سے گزرے تھے اور انہوں نے مجھے نہ دیکھا تھا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ کمین گاہ بہت اچھی تھی۔

رات کا ابتدائی حصہ خاموش تھا لیکن آٹھ بجے کے قریب لاش کی سمت سے ایک ککر چلانے لگا۔ چیتا آگیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ ان دونوں پگڈنڈیوں پر سے نہ گزرا تھا جن پر میں نظریں جمائے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر چلانے کے بعد ککر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد دس بجے تک رات خاموش رہی۔ دس بجے کے قریب پھر ککر کی آواز سنائی دی۔ چیتا دو گھنٹے تک اپنا شکار کھانے میں مصروف رہا تھا اور ظاہر ہے اس عرصے میں اس نے پیٹ بھر کر گوشت کھایا ہو گا۔ اور اس کے ساتھ ہی زہر کی ایک بڑی مقدار اپنے اندر داخل کر لی ہو گی۔ دوسری شب ہم نے بڑی ہوشیاری سے زہر لاش کے اندر چھپایا تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ اب چیتا زہر سے بچ نہیں سکتا تھا۔

آنکھ جھپکے بغیر میں اپنے سامنے والی پہاڑی کو دیکھ رہا تھا جہاں بھرپور چاندنی میں گھاس کی پتی پتی دکھائی دے رہی تھی۔ دو بجے کے قریب میں نے چیتے کو مکان کی سمت سے پگڈنڈی پر آتے ہوئے محسوس کیا۔ میں نے دونوں پگڈنڈیوں پر اس مقصد کے تحت خشک پتے بچھا دیئے تھے کہ مجھے چیتے کی آمد کا تھوڑا بہت علم ہو سکے۔ وہ ان پتوں پر بڑی لاپروائی سے چل رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اگلے چند لمحوں میں میں گولی سے اس کا بھیجا اڑا دوں گا۔

لیکن پگڈنڈی کے موڑ پر آکر چیتا چند لمحوں کے لئے رک گیا اور پھر پگڈنڈی چھوڑ کر نشیب میں داخل ہو گیا اور وہاں سے دوسری پگڈنڈی پر پہنچ گیا جہاں وہ پھر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھوڑی دیر کے لئے رک گیا۔

میں کئی گھنٹوں سے بالکل ساکت رائفل اپنے گھٹنوں پر رکھے بیٹھا تھا۔ چونکہ مجھے یقین تھا کہ وہ پگڈنڈی سے آئے گا لہٰذا میں نے اسے اپنے سامنے سے گزر دینے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ گزر جاتا اور مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ وہ میری جنبش دیکھ لے گا تو میں رائفل کو کندھے تک لا کر اپنی مرضی کے مطابق اس پر فائر کرتا۔ میں اس امید پر کئی منٹ پگڈنڈی کو دیکھتا رہا کہ کب اس کا سر جھاڑیوں کی شاخوں کے عقب سے نمودار ہو۔ جب انتظار کی یہ کیفیت ناقابل برداشت ہو گئی تو میں نے پگڈنڈی کے نیچے چیتے کے چھلانگ لگانے کی آواز سنی۔ وہ چکر کاٹ کر میرے درخت کی سمت آ رہا تھا۔ لمحہ بھر کے لئے میرے ذہن میں خیال گزرا کہ چیتے کو بڑے پراسرار طریقے سے درخت پر میری موجودگی کا علم ہو گیا تھا اور اپنے آخری انسانی شکار کے ذائقے کو ناپسند کرتے ہوئے وہ دوسرا انسانی شکار حاصل کرنے کے درپے تھا پگڈنڈی چھوڑنے میں اس کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ مجھے حاصل کرنے کی کوشش کرے' بلکہ چشمے پر جانا چاہتا تھا۔ وہ میرے درخت کے نیچے رکے بغیر آگے بڑھ گیا اور دوسرے لمحے وہ غصیلی آواز میں چشمے کا پانی اڑا رہا تھا۔

پہاڑی کے اوپر چیتے کے طرز سلوک اور اب جس انداز سے وہ پانی پی رہا تھا' مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے زہر کھا لیا تھا۔ سائنائیڈ کتنے عرصے میں اثر کرتا ہے' اس کا پہلے مجھے کوئی تجربہ نہ تھا۔ لہٰذا مجھے معلوم نہ تھا کہ چیتے کی موت کب واقع ہو گی۔ چیتے کو پانی پیئے دس منٹ گزر چکے تھے۔ اور مجھے امید تھی کہ وہ چشمے پر مر گیا ہو گا لیکن اس خیال کے ساتھ ہی میں نے چیتے کو پہاڑی کی دوسری سمت جاتے دیکھا۔ پھر ہر آواز رات کی خاموشی میں ڈوب گئی۔

یہ سارا عرصہ یعنی جب چیتا پگڈنڈی پر آیا' جب وہ نشیب میں داخل ہوا' جب وہ پہاڑی کے اوپر سے میرے درخت کے نیچے سے گزرا' جب وہ پانی پی رہا تھا اور جب وہ وہاں سے ندی کی سمت گیا۔ اس سارے عرصے میں وہ درختوں کے سائے میں رہا۔ وہ

جان بوجھ کر سائے میں رہا تھا یا اتفاقیہ طور پر ایسا ہوا تھا' اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اب چیتے پر گولی چلانے کی کوئی امید نہ تھی لیکن اگر زہر مؤثر ثابت ہوتا تو اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔

رات کا باقی حصہ میں درخت پر بیٹھا پگڈنڈیوں کو دیکھتا اور کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرتا رہا۔ صبح کے وقت ایبٹ سن وہاں آ گئے۔ چائے بنانے کے دوران میں نے انہیں رات کی روئداد سنائی۔

روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ چیتے نے ان سب جگہوں سے گوشت کھا لیا تھا جہاں جہاں میں نے زہر وفن کیا تھا۔

اب چیتے کو تلاش کرنا ضروری تھا اور اس مقصد کے لئے پٹواری آدمی جمع کرنے کی خاطر روانہ ہو گیا۔

ایبٹ سن صبح کے وقت پٹواری کو اپنے ہمراہ لائے تھے۔ دوپہر کے قریب پٹواری دو سو آدمیوں کے ہمراہ واپس آیا۔ ان آدمیوں کی مدد سے ہم نے پہاڑی کا وہ حصہ چھاننا شروع کر دیا جدھر چیتا گیا تھا۔

چشمے سے نصف میل دور جس سمت میں نے اسے جاتے ہوئے سنا تھا وہاں چند چٹانیں تھیں جن کے پیندے میں ایک غار تھا۔ وہ غار پہاڑی تک چلا گیا تھا۔ اس غار کا دہانہ اتنا بڑا تھا کہ ایک چیتا بخوبی اندر داخل ہو سکے۔ غار کے دہانے کے قریب چیتے نے تھوڑی سی مٹی کھودی تھی اور اپنے منہ سے اپنے آخری انسانی شکار کا پنجہ نکالا تھا جسے وہ پورے کا پورا نگل گیا تھا۔

میں نے آدمیوں سے بڑے بڑے پتھر لانے اور انہیں غار کے منہ کے آگے لگانے کے لئے کہا تھوڑی دیر میں ہم نے غار کا منہ اس طرح بند کر دیا کہ اگر اس کے اندر چیتا ہوتا تو غار کے منہ سے پتھر ہٹا کر باہر نہ نکل سکتا تھا۔

اگلی صبح میں لوہے کا تار اور لوہے کے کھونٹ لے کر غار کے دہانے پر پہنچ گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور پتھر ہٹانے کے بعد بڑی مضبوطی سے غار کے دہانے پر تاروں کا جال بن دیا۔ اس کے بعد میں دس دن روزانہ صبح و شام وہاں جاتا رہا۔ اس عرصے میں الک نندہ کے بائیں کنارے پر کسی انسانی موت کی خبر نہ آئی۔ روز بروز میری اس امید کو پر لگتے جاتے کہ اگلی دفعہ جب میں غار کے دہانے پر جاؤں گا تو مجھے غار کے اندر چیتے کے مرجانے کی کوئی نہ کوئی علامت نظر آ جائے گی۔

دسویں دن کی صبح جب میں غار کو دیکھ کر واپس آ رہا تھا تو ایبٹ سن نے اس خبر سے میرا استقبال کیا کہ وہاں سے پانچ میل دور اور رودر پریاگ' بدری ناتھ یاترا سڑک سے ایک میل دور ایک گاؤں میں گزشتہ شب چیتے نے ایک عورت ہلاک کر دی تھی۔

ظاہر ہے کہ سائنائیڈ بھی اس جانور کے لئے موثر زہر ثابت نہ ہوا تھا جو گزشتہ آٹھ برس سے دوسرے زہروں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ بلاشبہ چیتے نے زہر کھایا تھا اور اس میں بھی شک نہ تھا کہ وہ غار کے اندر داخل ہوا تھا کیونکہ غار کے دہانے پر اس کے کچھ بال گرے ہوئے تھے۔

چیتے کے باہر نکل جانے کی یہی وجہ ہو سکتی تھی کہ غار کا دوسرا منہ بھی ہو گا جو کہیں دور پہاڑیوں میں ہو گا۔ اب میرے لئے یہ عجیب بات نہ تھی کہ گھڑوال کے لوگ جو گزشتہ آٹھ برس سے آدم خور کے پنجے میں گرفتار تھے' اسے ایک ایسی بدروح خیال کرتے تھے جس کا علاج فقط آگ سے ہو سکتا تھا۔

چیتے کی خوش قسمتی

عوام سے متعلق خبر بڑی جلدی پھیلتی ہے۔ گزشتہ دس دن میں گھڑوال کے تقریباً ہر بشر نے یہ سن لیا تھا کہ ہم نے آدم خور کو زہر کھلا کر اسے غار کے اندر بند کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں تھوڑے سے غیر محتاط ہو جاتے ہیں۔ زہر کے اثر سے نجات پانے اور غار سے نکلنے کے بعد چیتے نے جس پہلے شخص کو اس لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا اسے اپنا شکار بنا لیا۔

ہمارے سامنے سارا دن پڑا تھا۔ میں غار کو دیکھنے کے بعد جلدی واپس آ گیا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم گھوڑیوں پر سوار ہوئے اور اس گاؤں کی سمت چل پڑے جہاں چیتے نے عورت کو ہلاک کیا تھا۔

یاترا سڑک پر تیز گھڑ سواری کے بعد ہم نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جو پہاڑی سے چکر کھا کر جاتا تھا۔ اس راستے پر ایک میل تک سفر کرنے پر ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں اس گاؤں سے آنے والی ایک پگڈنڈی اس راستے سے ملتی تھی۔ وہاں عورت کی جدوجہد کے نشان کے علاوہ خون کا ایک ڈھیر تھا۔

گاؤں کا نمبردار اور متوفی کے رشتے دار ہمارے منتظر تھے۔ انہوں نے ہمیں وہ جگہ دکھائی جہاں چیتے نے عورت کو پکڑا تھا جب کہ وہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر رہی تھی۔ وہاں سے چیتا اسے ایک سو گز تک گھسیٹ کر راستے اور پگڈنڈی کے سنگم تک لے گیا جہاں اس نے اپنے شکار کو چھوڑ دیا اور پھر خاصی جدوجہد کے بعد اس کو ہلاک کر دیا تھا۔ جب عورت اپنی زندگی کے لئے چیتے سے نبرد آزما تھی تو گاؤں کے لوگوں نے اس کی چیخیں سنیں لیکن خوفزدہ ہونے کے سبب اس کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب عورت مر گئی تو چیتا اسے اٹھا کر پہلے تو سو فٹ چوڑے ایک نالے میں سے گزرا اور پھر نالے کے دوسرے کنارے سے دو سو گز مزید پہاڑی کے اوپر دوسری سمت لے گیا۔ عورت کو گھسیٹنے کا کوئی نشان نہ تھا لیکن خون کی لکیر پر چلنا آسان تھا۔ خون کی لکیر چار فٹ چوڑی اور بیس فٹ لمبی ہموار زمین کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ اس تنگ زمین کے بالائی کنارے پر تقریباً آٹھ فٹ اوپر سیب کا ایک درخت تھا اور اس ہموار زمین کے نچلے کنارے پر پہاڑی بڑی تیز ڈھلوان کی صورت میں نیچے کی سمت چلی گئی تھی۔ اس کے اوپر جنگلی گلاب کی ایک بڑی جھاڑی تھی جس نے آگے بڑھ کر سیب کے درخت کو دبا رکھا تھا۔ گلاب کی اس جھاڑی اور تیز ڈھلوان کے درمیان وہ عورت اوندھے منہ پڑی تھی۔ اس کے جسم پر ایک کپڑا نہ تھا مگر گلاب کی سفید پتیوں نے گر گر کر اس کا جسم کہیں کہیں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس معمر خاتون کی عمر ستر برس کے قریب ہو گی۔

اس سفاکانہ موت کے عوض چیتے کو اپنی زندگی دینی ہو گی۔ آخر تھوڑے سے مشورے کے بعد ایبٹ سن فالتو گھوڑے کے ہمراہ واپس رودر پریاگ گئے تاکہ ضروری چیزیں لے آئیں ادھر میں آدم خور سے ملاقات کرنے کے امکان دیکھنے نکل پڑا۔

وہ علاقہ میرے لئے نیا تھا۔ پہلی بات تو اس علاقے سے واقفیت حاصل کرنا تھی۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہی میں نے دیکھا تھا کہ ندی کے قریب سے پہاڑی تقریباً چار پانچ ہزار فٹ بلند تھی اور پہاڑی کے بالائی دو ہزار فٹ پر دیودار اور صنوبر کے درختوں کا گھنا جنگل تھا جس کے نیچے تقریباً نصف میل چوڑا گھاس کا ایک تختہ تھا۔ اس تختے کے نیچے جھاڑیوں کا جنگل تھا۔

میں گھاس کے تختے اور جھاڑیوں کے کنارے کنارے پہاڑی کے شانے تک گیا۔ وہاں مجھے اپنے سامنے ایک نشیب نظر آیا' جو نصف میل تک لمبا تھا اور یاترا سڑک تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ نشیب تقریباً ایک سو گز چوڑا تھا مگر یاترا سڑک کے قریب وہ تین سو گز چوڑا ہو گیا تھا۔ اس نشیب سے دور کھلی زمین تھی۔ نشیب کی جگہ سیلی تھی جس

میں بڑے بڑے درخت اور درختوں کے نیچے گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ نشیب کے بالائی حصے پر چٹانوں کا ایک سلسلہ تھا جو بیس سے تیس فٹ بلند اور سو گز طویل تھا۔ اس سلسلے کے درمیان ایک گہرا سوراخ تھا جس کے نیچے ایک چھوٹی سی ندی جا رہی تھی۔ چٹانوں کے اوپر جھاڑیوں کی ایک قطار تھی جس کے اوپر پھر گھاس کا ایک تختہ تھا۔

میں نے اس سارے علاقے کا معائنہ بڑی احتیاط سے کیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ چیتا اس نشیب میں لیٹا تھا اور میں یہ نہ چاہتا تھا کہ اسے مناسب وقت سے پہلے میری موجودگی کا علم ہو جائے۔ اب یہ جاننا ضروری تھا کہ چیتا نشیب میں کس جگہ لیٹا تھا۔ یہ اطلاع حاصل کرنے کے لئے میں واپس پہاڑی کی سمت چل دیا۔

گاؤں میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ عورت کو پوپھٹنے کے قریب ہلاک کیا گیا تھا۔ چیتے کو اپنا شکار ہلاک کرنے اور اسے چار سو گز دور لے جانے اور اس کا تھوڑا سا حصہ کھانے اور پھر اسے اس جگہ چھوڑ جانے میں زیادہ وقت نہ لگا تھا۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد سورج طلوع ہو گیا تھا۔ جس پہاڑی پر لاش پڑی تھی وہ گاؤں کے بالکل سامنے تھی اور اس وقت تک گاؤں میں لوگ ادھر ادھر گھومنے پھرنے لگے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ چیتا اپنے شکار سے ہٹنے کے بعد حتی الامکان چوری چھپے نشیب کی طرف گیا ہو گا۔ وہاں زمین بڑی سخت تھی جس کے سبب چیتے کے پنجوں کے نشانات کا کھوج لگانا مشکل تھا لیکن میرے خیال کے مطابق وہ جس راستے سے نشیب کی سمت گیا تھا میں اس پر چل پڑا۔

جب میں نے نصف میل طے کر لیا اور گاؤں میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو مجھے یہ جان خوشی ہوئی کہ میں قدم قدم چیتے کے پنجوں کے نشانات پر چلا تھا۔ تھوڑا آگے چل کر ایک جھاڑی کے نیچے مجھے قدرے اکھڑی اکھڑی زمین دکھائی دی۔ وہاں چیتے نے چند گھنٹے آرام کیا تھا۔ یہ جگہ چھوڑتے وقت اس کے پنجوں کے نشانوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چٹانی سلسلے سے تقریباً پچاس گز نیچے نشیب میں داخل ہوا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہاں چیتا لیٹا تھا میں تقریباً نصف گھنٹے تک اس جگہ اس امید پر لیٹا گرد و نواح کی گھنی جھاڑیوں اور جنگل کو دیکھتا رہا کہ چیتا ہلکی سی جنبش بھی کرے تو مجھے اس کی موجودگی کا پتہ چل جائے۔

مجھے اس طرح دیکھتے چند منٹ گزرے تھے کہ خشک پتوں پر کسی جنبش نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ ہدہدوں کی ایک جوڑی کیڑے مکوڑوں کی تلاش میں خشک پتوں کو الٹ رہی تھی۔ جنگل میں درندوں کی موجودگی کو فاش کرنے کے لئے یہ پرندے بہترین مخبر ثابت ہوتے ہیں۔ مجھے امید بندھ گئی کہ شاید میں ان پرندوں کی مدد سے وہ جگہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں جہاں چیتا چھپا تھا۔

نہ تو کسی آواز اور نہ ہی کسی جنبش سے پتا چلتا تھا کہ چیتا نشیب میں موجود ہے لیکن مجھے اب تک یقین تھا کہ وہ وہیں ہے۔ موجودہ طریقے سے اس پر گولی چلانے میں ناکام ہو کر میں نے ایک دوسرا طریقہ آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔

کھلی جگہ پر آئے بغیر چیتے کی پسپائی کے دو راستے ہو سکتے تھے۔ پہلا پہاڑی کے نیچے یا ترا سڑک کی طرف' دوسرا پہاڑی کے اوپر۔ پہاڑی کے نیچے کی سمت جانا اس کے لئے سود مند ثابت نہ ہوتا تھا لیکن اگر میں اسے پہاڑی کے اوپر جانے کی ترغیب دیتا تو اس نے چٹانوں کے اوپر جھاڑیوں کے جنگل میں پناہ لینے کی کوشش کرنی تھی۔ جب اس نے چٹانوں کے سلسلے پر چڑھنا تھا تو میرے لئے اس پر گولی چلانے کے لئے وہ اچھا موقع ہو سکتا تھا۔

میرے خیال کے مطابق نشیب میں جس جگہ چیتا موجود تھا اس سے قدرے نیچے کی سمت میں نشیب میں داخل ہو گیا۔ میرے لئے ابھی چٹانوں کے اوپر نظر جمانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہدہدوں کی جوڑی ان سے چند فٹ نیچے بیٹھی تھی۔ اور جب چیتا جنبش کرتا تو انہوں نے مجھے خبردار کر دینا تھا۔ میں بڑی احتیاط سے کوئی چالیس گز آگے بڑھا تھا اور چٹانوں میں پانی کے سوراخ سے کوئی دس گز دور تھا کہ ہدہد ایک دم چوکنے ہو گئے وہ ایک دم اڑے اور صنوبر کے درخت پر بیٹھ کر زور زور سے چلانے

لگے۔ رائفل کو کندھے تک لاتے ہوئے میں فائر کرنے کی پوزیشن میں کھڑا ہو گیا۔ پھر اسی پوزیشن میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

وہاں زمین گیلی اور پھسلوان تھی۔ میری نظریں سامنے والی چٹان پر جمی ہوئی تھیں۔ اس پوزیشن میں میں نے ابھی دو قدم اٹھائے تھے کہ گیلی زمین پر میرا ربڑ کا جوتا پھسل گیا اور جب میں اپنا توازن برقرار رکھنے میں مصروف تھا تو چیتا چھلانگ لگا کر سامنے والی چٹان پر نمودار ہوا اور دوسرے لمحے چٹانوں کے اوپر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔

میری دوسری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ اگرچہ میرے لئے یہ آسان تھا کہ چیتے کو دوبارہ نشیب میں لے آتا لیکن ایسا کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا کیونکہ اوپر سے جھاڑیوں کے سبب چٹانیں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ اور چیتے نے وہاں پہنچ کر نیچے نشیب میں کود جانا تھا۔

ایبٹ سن اور میں نے دو بجے ندی کے کنارے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ دو بجے سے تھوڑی دیر پہلے وہ چند آدمیوں کے ہمراہ ضروری چیزیں لے کر وہاں آ پہنچے۔ یہ چیزیں چائے' پٹرول لیمپ' دو فالتو رائفلیں' کارتوس' مچھلی پکڑنے کی ڈوری' سائنائیڈ اور لوہے کے پھندے پر مشتمل تھیں۔

ہم نے ندی کے کنارے دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر چائے تیار کی۔ ادھر سے فارغ ہو کر ہم لاش کی سمت چل پڑے۔

لاش جس پوزیشن میں پڑی تھی میں اس کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ آپ آئندہ واقعات بخوبی سمجھ سکیں۔

لاش ہموار زمین کے قطعے سے تقریباً پانچ فٹ دور تھی۔ یہ قطعہ چار فٹ چوڑا اور بیس فٹ طویل تھا۔ اس قطعے کے بالائی حصے پر ایک اونچا کنارا تھا۔ اس نچلے حصے پر تیز ڈھلوان تھی' جس پر گلاب کی بڑی جھاڑی پھیلی ہوئی تھی۔ بالائی کنارے پر سیب کا درخت اتنا بلند نہ تھا کہ اس پر مچان تیار کی جا سکتی۔ لہٰذا ہم نے زہر' بندوقوں اور لوہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے پھندے پر تمام تر انحصار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد ہم نے تیاری شروع کر دی۔

سب سے پہلے ہم نے لاش میں زہر چھپایا۔ وقت کی کمی کے سبب چیتے نے اس کا تھوڑا سا حصہ کھایا تھا۔ ہمیں امید تھی کہ آئندہ زیادہ گوشت کھانے کے ساتھ ساتھ چیتا زہر بھی زیادہ کھا جائے گا۔ ہمارا خیال تھا کہ چیتا پہاڑی کی سمت سے لاش کی طرف آئے گا۔ ہم نے اس راستے پر پندرہ گز کے فاصلے پر اپنی دونوں فالتو رائفلیں دو بانسوں کے ساتھ اس دروازے سے باندھ دیں کہ دونوں کی نالیوں کا رخ اس جگہ تھا جہاں ہماری امید کے مطابق چیتے نے بیٹھ کر لاش کھانی تھی۔

چیتا بلا روک ٹوک کسی سمت سے بھی لاش تک آ سکتا تھا۔ لیکن اس کا سب سے فطری راستہ بیس فٹ لمبا ہموار زمین کا قطعہ تھا اور اس جگہ ہم لوہے کا پھندہ لگانے لگے سب سے پہلے میں نے وہاں سے خشک پتے اور لکڑیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہٹائے اور پھر وہاں سے تھوڑی سی زمین کھود کر اور مٹی دور ہٹا کر پھندہ لگا دیا۔ ہم نے پھندے کے سپرنگ نہایت ڈھیلے رکھے تاکہ ذرا سا بوجھ بھی پڑے تو اس کا جبڑا ایک دم بند ہو کر چیتے کو اپنی گرفت میں لے لے۔ پھندہ لگانے کے بعد ہم نے اس پر مٹی ڈال دی اور مٹی پر پہلے کی طرح خشک پتے اور لکڑی کے ٹکڑے رکھ دیئے۔ پھندہ اتنی صفائی سے لگا تھا کہ بعد میں ہمارے لئے بھی اس جگہ کی شناخت کرنا مشکل ہو گیا۔

اب مچھلی پکڑنے کی ڈوری نکالی گئی۔ اس کا ایک سرا ایک رائفل کے گھوڑے سے باندھ کر اور اسے لاش کے قریب لا کر اور لاش کی کمر کے گرد سے گھما کر دوسری رائفل کے گھوڑے سے باندھ دیا۔ اس کے بعد ڈوری کاٹ دی گئی جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ کیونکہ وہ نئی اور عمدہ ڈوری تھی۔ ایسا کرنے سے ہمارا یہ مقصد تھا کہ جونہی چیتے نے لاش کو چھیڑنا اور نوچنا تھا' ڈوری میں تناؤ آ جانا تھا اور اس تناؤ کے سبب دونوں رائفلوں نے خود بخود فائر کر کے چیتے کو ہلاک کر دینا تھا۔

جب یہ انتظامات مکمل ہو گئے تو ہمیں خیال آیا کہ ممکن تھا کہ چیتا ہمارے متوقع

راستے سے نہ آئے۔ ہو سکتا تھا کہ وہ رائفلوں کے دام اور دوسرے پھندے کو نظر انداز کر کے ہماری سمت سے لاش کی طرف جائے۔ اس کے اس اقدام کے سدباب کی خاطر ہم گاؤں گئے اور وہاں سے ایک کلہاڑی لائے۔ کلہاڑی سے ہم نے چند جھاڑیاں کاٹیں اور زمین کے اندر پانچ پانچ فٹ گہرے سوراخ کر کے لاش کے قریب جھاڑیاں گاڑ دیں۔ جھاڑیاں یوں گاڑی گئی تھیں کہ بالکل فطری اگی ہوئی محسوس ہوتی تھیں اور چیتا ان کے درمیان سے گزر نہ سکتا تھا۔ اب ہمیں یقین تھا کہ کوئی بھی جانور جو لاش کو کھانے کی کوشش کرے گا ایک طرح یا دوسری طرح موت کے منہ سے بچ نہ سکے گا۔ ڈوری سے بندھی ہوئی رائفلوں کے حفاظتی کیس ہٹا کر ہم گاؤں کی طرف چل پڑے۔

گاؤں سے پچاس گز ادھر جہاں ہمیں خون کا ڈھیر دکھائی دیا تھا' آم کا ایک بڑا درخت تھا۔ اس درخت پر ہم نے گاؤں سے لکڑی کے تختے منگوا کر ایک مچان تیار کی اور اس پر دھان کی پرالی بچھا دی۔ مچان پر ہم نے اس ارادے سے رات بسر کی کہ اگر چیتا پھندے میں پھنس گیا تو اسے ختم کر دیں گے۔

غروب آفتاب کے قریب ہم مچان پر چڑھ گئے۔ اس پر ہم دونوں کے لیٹنے کے لئے خاصی جگہ تھی۔ ندی کی سمت سے مچان اور لاش کے درمیان کوئی دو سو گز کا فاصلہ تھا مگر لاش مچان سے تقریباً ایک سو گز اوپر پہاڑی پر پڑی تھی۔

ایبٹ سن کو خدشہ تھا کہ ان کی رائفل کا نشانہ جس پر روربین کا شیشہ نصب تھا زیادہ صحیح نہ ہو گا۔ جب وہ اپنی دوسری دوربین کیس میں سے نکال رہے تھے تو میں نے اپنی 275 رائفل بھری۔ ہمارا منصوبہ تھا کہ ایبٹ سن تو اس پہاڑی کی نگرانی کریں جس پر سے چیتے کے آنے کی توقع تھی اور میں چاروں طرف نگاہ رکھوں۔ اگر چیتا نظر آ جائے تو میں اس پر گولی چلاؤں خواہ فاصلہ کتنا ہی کیوں نہ ہو (ویسے اس وقت میری رائفل کی گولی زیادہ سے زیادہ تین سو گز تک جا سکتی تھی)

ایبٹ سن جلدی ہی سو گئے اور میں پائپ سلگا کر شام کے سایوں کو دراز ہوتا ہوا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیکھنے لگا۔ پہاڑیوں کی چوٹیاں دھوپ کی آخری کرنوں میں چمک رہی تھیں۔ اتنے میں ایبٹ سن جاگ اٹھے۔ انہوں نے اپنی دوربین اور میں نے رائفل سنبھال لی کیونکہ چیتے کے آنے کا متوقع وقت ہو چکا تھا۔ روشنی نے ابھی مزید پینتالیس منٹ رہنا تھا۔ اس عرصے میں ہم نے گرد و نواح کا بغور معائنہ کیا۔ لیکن کہیں کوئی ہلکی سی جنبش بھی دکھائی نہ دی۔

جب گولی چلانے کے لئے ضروری روشنی نہ رہی تو میں نے اپنی رائفل رکھ دی اور چند منٹ بعد ایبٹ سن نے بھی اپنی دوربین کیس میں داخل کر دی۔ چیتے کو ہلاک کرنے کا ایک موقع جا چکا تھا لیکن ابھی تین موقعے باقی تھے۔ لہٰذا ہم مایوس نہ ہوئے۔

اندھیرا مسلط ہونے کے تھوڑی دیر بعد بارش ہونے لگی۔ میں نے ایبٹ سن کے کان میں سرگوشی کے عالم میں اس خدشے کا اظہار کیا کہ بارش ہماری ساری محنت پر پانی پھیر دے گی۔ بارش کے پانی سے مٹی نے بوجھل ہو کر پھندے پر زور ڈال کر اس کے سپرنگوں کو ڈھیلا کر کے جبڑا بند کر دینا تھا تو دوسری صورت میں بارش کے پانی نے ریشم کی ڈوری میں تناؤ پیدا کر کے دونوں رائفلوں کو چلا دینا تھا۔ بارش ابھی جاری تھی کہ تھوڑی دیر بعد ایبٹ سن نے مجھ سے وقت پوچھا۔ آٹھ بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔ ابھی میں نے وقت بتایا ہی تھا کہ روشنی کی طرف سے چیتے کی بپھری ہوئی اور غصیلی آوازیں سنائی دیں۔ چیتا' ردر پریاگ کا آدم خور چیتا پھندے میں پھنس چکا تھا۔

ایبٹ سن نے ایک دم چشم زدن میں مچان سے چھلانگ لگا دی اور میں ایک بڑی شاخ سے لٹک کر نیچے زمین پر آ گیا اسے میں خوش قسمتی کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ ایسے وقت ہم دونوں میں سے کسی کی گردن نہ ٹوٹی۔ جب ایبٹ سن پٹرول لیمپ جلانے میں مصروف تھے تو میں پھندے میں چیتے کی گرفتاری کے متعلق شبہے کا اظہار کرنے لگا۔ اس پر ایبٹ سن نے کہا۔ "آپ تو ازلی قنوطی ہیں۔ پہلے آپ کا خیال تھا کہ بارش کے چند قطرے پھندے کا جبڑا بند اور ریشم کی ڈوری میں تناؤ پیدا کر کے رائفلوں کو چلا دیں گے۔ اور اب آپ کہتے ہیں کہ چونکہ چیتے نے شور مچانا بند کر

دیا ہے لہٰذا پھندے میں سے نکل گیا ہے۔" میں بالکل یہی سوچ رہا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر جب ایک چیتا اس پھندے میں پھنسا تھا تو وہ مسلسل غصے سے بھری آوازیں نکالتا رہا تھا۔ لیکن موجودہ چیتا ایک گرج کے بعد بڑے پراسرار انداز میں خاموش ہو گیا تھا۔

ایبٹ سن ہر قسم کا لیمپ روشن کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ اب تک وہ پٹرول لیمپ جلا چکے تھے۔ مگر ایبٹ سن بھی اب خاموشی کو مشتبہ خیال کرنے لگے تھے۔ اس کے باوجود ہم اپنے شکوک کو ذہن سے نکال کر بڑی احتیاط سے لاش کی سمت چل پڑے۔ بلند پہاڑی پر پہنچ کر جب ہم نے نیچے دیکھا تو ہمیں پھندہ دکھائی نہ دیا۔ ہماری امیدیں بڑھنے لگی تھیں کہ لیمپ کی روشنی میں پھندہ نظر آ گیا۔ وہ پہاڑی کی سمت دس گز دور پڑا تھا۔ وہ خالی تھا اور اس کا جبڑا بند تھا۔ لاش بھی اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ چیتے نے اسے بڑی حد تک کھا لیا تھا۔

آپ ہمارے خیالات کی تلخی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہم دوبارہ مچان پر جا بیٹھے۔ اب جاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ لہٰذا ہم نے اپنے اوپر کچھ پرالی ڈالی اور سو گئے۔

اگلی صبح پو پھٹتے ہی ہم نے درخت سے اتر کر چائے کا پانی گرم کیا۔ اس دوران پٹواری کے ہمراہ ایبٹ سن کے اور میرے آدمی بھی آ چکے تھے۔ چائے کی چند پیالیاں پینے کے بعد ہم لاش کی سمت چل پڑے۔

میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے کہ جب ایبٹ سن اور میں لاش کی سمت گئے تو ہمارے ہمراہ چند دوسرے لوگ بھی تھے۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو بچ جانے میں آپ کو ہرگز یہ باتیں نہ بتاتا۔ جو اب بتانے والا ہوں۔

شیطان بھی اگر اس موقع پر ہوتا اور اس نے چیتے کو ہلاک یا پھندے میں گرفتار کرنے کے سلسلے میں ہماری تیاریاں دیکھی ہوتیں تو اس کی عقل بھی یہ جان کر دنگ رہ جاتی کہ اندھیری شب میں چیتا کس طرح موت کے منہ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا؟ ا۔ بارش نے زمین کو گیلا کرنے کے ساتھ ہموار بھی کر دیا تھا جس کے سبب ہم چیتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی حرکت کا بخوبی اندازہ کر سکتے تھے۔

چیتا اس راستے سے آیا تھا جدھر سے ہمیں اس کے آنے کی توقع تھی۔ ہموار زمین کے قطعے کے قریب آ کر وہ رک گیا۔ اور چکر کاٹ کر اس سمت آ گیا جدھر ہم نے زمین میں جھاڑیاں گاڑی تھیں۔ اس نے اپنے گزرنے کے لئے تین جھاڑیاں اکھاڑ دیں۔ پھر وہ لاش کے قریب گیا اور اسے اٹھا کر تقریباً دو فٹ رائفلوں کی سمت لے گیا۔ جس سے ریشم کی ڈوری ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے بعد اس نے لاش کھانی شروع کر دی مگر اس دوران لاش کی کمر کے گرد لپٹی ہوئی ڈوری کو چھونے سے گریز کرتا رہا۔ ہم نے گردن اور سر میں زہر چھپانا ضروری نہ سمجھا تھا۔ یہ حصے اس نے سب سے پہلے کھائے پھر اس نے بڑی احتیاط سے ان حصوں کا درمیانی گوشت کھایا جہاں ہم نے زہر چھپا رکھا تھا۔

بھوک مٹانے کے بعد چیتا بارش سے پناہ لینے کے ارادے سے لاش سے ہٹ گیا۔ جب وہ ایسا کر رہا تھا تو وہی کچھ ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ ابھی چیتے نے پھندے کے اوپر پاؤں دھرا ہی تھا کہ گیلی مٹی کے بوجھ سے پھندے کے سپرنگ چھوٹ گئے اور چیتے کی اگلی ٹانگ کے بجائے اس کی ایک پچھلی ٹانگ پھندے کے جبڑے میں پھنس گئی۔ سب سے بڑی ٹریجڈی تو میں بیان کرنے والا ہوں۔ رودر پریاگ سے اس جگہ پھندہ لانے والے آدمیوں نے اسے راستے میں گرا دیا تھا اور اس کا ایک تین انچ لمبا لوہے کا دانت توڑ دیا تھا۔ اتفاقیہ طور پر یا اسے ہماری بدقسمتی کہہ لیں، چیتے کی ٹانگ عین اس جگہ پھندے میں پھنس گئی جہاں سے وہ دانت غائب تھا اور وہ اس خلاء میں سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اپنی ٹانگ آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اگر اس جگہ سے جبڑے کا دانت ٹوٹا ہوا نہ ہوتا تو چیتے کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ پھندے کی گرفت کے مضبوط ہونے کا یہ واضح ثبوت تھا کہ ایک دانت نہ ہونے کے باوجود وہ زمین میں سے اکھڑ کر دس گز تک چیتے کی ٹانگ کے ساتھ لٹکا رہا تھا۔

چیتے کی کارروائی خواہ کتنی ناقابل یقین محسوس ہو لیکن ایک ایسا جانور جو گزشتہ

آٹھ برس سے انسانی گوشت پر زندگی گزار رہا تھا اس سے اسی قسم کی کارروائی کی توقع ہو سکتی تھی۔ کھلی جگہ سے ہٹ کر سائے سائے میں لاش کی طرف جانا اور جھاڑیاں ہٹا کر لاش کے قریب آنا اور لاش کو تقریباً دو فٹ رائفلوں کی سمت کھینچ کر ڈوری کو ڈھیلا کرنا اور اس کے زہریلے حصے کو نہ کھانا۔ اس کے لئے یہ سب نارمل اور فطری باتیں تھیں۔

پھندے کو اٹھانے اور رائفلیں کھولنے کے بعد ہم بدنصیب عورت کے رشتہ داروں کا انتظار کرنے لگے تاکہ وہ اس کی لاش کا بچا کھچا حصہ اٹھا کر مذہبی رسوم پوری کرنے کے لئے لے جائیں۔ پھر ہم اپنے آدمیوں کو ضروری ہدایات دے کر رودر پریاگ کی طرف چل پڑے۔ رات کے کسی وقت چیتا آم کے درخت کے قریب بھی آیا تھا۔ صبح کے وقت ہم نے خون کے ڈھیر کے قریب اس کے پنجوں کے نشانات دیکھے۔ جب ہم نے ان نشانوں کا تعاقب کرنا شروع کیا تو وہ ہمیں یاترا سڑک تک لے گئے اور پھر وہاں سے چار میل آگے بنگلے کے دروازے تک، بنگلے کا چکر لگانے کے بعد وہ ایک میل پھر اس جگہ تک گیا تھا جہاں میں نے رودر پریاگ آتے ہی بوڑھے گلہ بان سے بکری خرید کر باندھی تھی۔

میں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ یہ متعدد اور مسلسل حوصلہ شکنیاں میرے ارادوں کو مرجھانے اور مجھے پست ہمت بنانے میں کامیاب نہ رہ سکیں بلکہ یہ تو مجھے بلند حوصلگی کی اس منزل پر لے گئیں کہ آخر ایک دن میں نے زہر اور پھندے کے سہارے ترک کر کے اور رائفل کو صحیح معنوں میں استعمال کر کے آدم خور کے سر کے پرخچے اڑانے کا فیصلہ کر لیا۔

○

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

احتیاط کی ضرورت

میں ان شکاریوں سے کبھی متفق نہیں ہوا جو بڑے شکار میں اپنی تمام تر ناکامیوں کا ذمہ دار تقدیر کو ٹھہراتے ہیں۔

ایک ایسا شکاری جو کسی جانور کے انتظار میں بیٹھا ہو اس کے خیالات خواہ قنوطی ہوں یا رجائی۔ اس جانور کی حرکات پر اثر انداز نہیں ہو سکتے جسے وہ ہلاک کرنے یا اس کی تصویر اتارنے میں کوشاں ہو۔

ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جانوروں کی سننے اور دیکھنے کی حسیں بہت تیز ہوتی ہیں۔ خصوصاً ان جانوروں کی ان حسوں سے کہیں زیادہ تیز ہوتی ہیں جو ان کی مدد سے فقط اپنا شکار ہی حاصل نہیں کرتے بلکہ اپنی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ فرض کر لینا بے بنیاد ہے کہ چونکہ ہم اپنے مطلوبہ شکار کی حرکات کو دیکھ یا سن نہیں سکتے لہٰذا وہ بھی ہماری حرکات دیکھ اور سن نہیں سکتا۔ جانوروں کی ذہانت کا غلط اندازہ اور طویل عرصے تک بے حس و حرکت شکار کے انتظار میں بیٹھنے کی نااہلیت زیادہ تر شکار میں ناکامی کی وجہ ہوتی ہے۔ جانوروں کی بے حد تیز حس سماعت اور ان سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے جس احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اس کی ایک مثال میں درج کرتا ہوں۔

مارچ کے ایک دن جب درختوں سے خشک پتے زمین پر بکھرے ہوئے تھے اور ان کی مدد سے کسی جانور کی آہٹ کا پا لینا نہایت آسان تھا۔ میں نے ایک گھنے جنگل میں ایک ایسے شیر کی موجودگی دریافت کر لی جس کی تصویر میں عرصے سے اتارنا چاہتا تھا۔ جدھر مجھے شیر کی موجودگی کا شک تھا میں نے اس طرف بہت سے لنگور بھیج دیئے شیر سے ستر گز اس طرف گھاس کا ایک ہموار تختہ تھا جو پچاس گز لمبا اور تیس گز چوڑا

تھا اس تختے سے میری سمت میں ایک بڑا درخت تھا جس پر مختلف بیلیں چڑھی ہوئی تھیں درخت سے بیس فٹ اوپر درخت کا تنا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ شیر دوپہر کے بعد اس تختے کو عبور کرے گا۔ کیونکہ وہ تختہ اس کے اور اس کے شکار سانبھر کے درمیان تھا۔ ہلاک شدہ سانبھر کو میں نے صبح کے وقت تلاش کیا تھا۔ شیر کے شکار کے نزدیک کوئی ایسی مناسب جگہ نہ تھی جہاں وہ دن کے وقت لیٹ سکتا' لہٰذا وہ گھنے جنگل میں چلا گیا تھا جہاں لنگوروں نے اس کی موجودگی ظاہر کر دی تھی۔

کسی شیر یا چیتے کو شکار کرنے یا اس کی تصویر اتارنے کے لئے اس کی موجودگی کی صحیح جگہ دریافت کرنا از حد ضروری ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں پرندے اور دوسرے جانور آپ کی بہترین مدد کر سکتے ہیں۔ اگر شکاری جرات سے کام لے اور اسے جانوروں اور پرندوں کی عادات کا علم ہو تو اس کے لئے مطلوبہ جانور یا پرندے کو شیر یا چیتے کی سمت بھیجنا مشکل نہیں ہوتا۔ پرندوں میں جنگلی مرغیاں اور ہد ہد اور جانوروں میں سے لنگور اس مقصد کے لئے بہترین ثابت ہوتے ہیں۔

جس شیر کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ زخمی نہ تھا اور گھنے جنگل میں گھس کر اسے تلاش کرنا مشکل نہ تھا لیکن ایسا کرتے وقت میں نے اس کے آرام میں مخل ہو کر اپنا مقصد کھو دینا تھا۔ آخر لنگوروں کو اس سمت بھیج کر اور شیر کے آرام میں مخل ہوئے بغیر مجھے ضروری اطلاع حاصل ہو گئی۔

میں بڑی احتیاط سے درخت تک گیا اور اس کے پتوں اور بیلوں سے بچتا بچاتا دو شاخے تک چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ بیٹھنے اور چھپنے کے لئے بہترین جگہ تھی۔ میں نے اپنا چھوٹا کیمرہ نکالا اور اس کو بڑی احتیاط اور خاموشی سے درختوں کی شاخوں میں اپنے سامنے ہموار زمین کے تختے کی سمت فوکس کر دیا۔ میری نظر میں گھاس کے تختے کی آخری سرحد اور اس سے ملحقہ جنگل تک جا سکتی تھی۔

مجھے وہاں بیٹھے ایک گھنٹہ ہوا تھا کہ میرے سامنے جنگل میں سے فاختاؤں کا ایک جوڑا اڑا اور جھاڑیوں کے اوپر چکر کاٹ کر غائب ہو گیا۔ دونوں پرندوں کا طرز سلوک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بتاتا تھا کہ شیر اٹھ بیٹھا تھا اور اسے دیکھ کر وہ پرندے اڑے تھے۔ چند منٹ بعد جب میں اپنے سامنے والے جنگل کو بغور دیکھ رہا تھا تو اچانک مجھے درختوں میں سے ایک یا دو انچ چوڑا سفید دھبہ سا دکھائی دیا۔ یہ دھبہ گھاس کے تنختے سے دس فٹ دور تھا۔ اس دھبے کو تھوڑی دیر دیکھنے کے بعد میں پھر دائیں بائیں جنگل کو دیکھنے لگا۔ راستے میں میری نظریں ہر بار اس سفید دھبے پر رک جاتیں۔

لیکن وہ دھبہ ایک یا دو منٹ پہلے جس جگہ پر تھا اب وہ وہاں نہ تھا اور میرے خیال کے مطابق وہ شیر کے سر کے سفید نشان کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ ظاہر تھا شیر نے مجھے درخت کی سمت آتے یا اس پر چڑھتے دیکھ لیا تھا یا میری آہٹ سن لی تھی اگرچہ میں نے ربڑ کے جوتے پہن رکھے تھے اور میری طرف سے پوری احتیاط برتی گئی تھی اب جب کہ وہ اپنا شکار کھانے کی نیت سے اٹھا تھا اس نے اپنی تمام تر توجہ مشتبہ جگہ پر مرکوز کر دی تھی۔ بلا حس و حرکت نصف گھنٹہ لیٹے رہنے کے بعد وہ اٹھا' پنجے سے جسم کو خارش کی' جماہی لی۔ اور یہ اطمینان کر کے کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں وہ کھلے تنختے میں آ گیا۔ یہاں کھڑے ہو کر اس نے دائیں بائیں دیکھا اور پھر میرے درخت کے نیچے سے گزر کر اپنے شکار کی سمت چل پڑا۔

جنگل میں گھومنے کے دوران جب میں کسی درندے کو شکار کرنے کے لئے کسی درخت پر کسی شکاری کی بنائی ہوئی مچان دیکھتا ہوں اور جب مچان کو آرام دہ بنانے یا سامنے کا منظر واضح کرنے کے لئے درخت کی کئی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں اور وہ مجھے درخت کے نیچے ہی پڑی نظر آتی ہیں اور اس شور کا خیال کرتا ہوں جو ان شاخوں کی قطع برید کے وقت بلند ہوا ہو گا تو مجھے لوگوں کی یہ بات سن کر ذرا حیرت نہیں ہوتی کہ وہ سینکڑوں دفعہ شیر یا چیتے کے انتظار میں ساری ساری رات بیٹھے رہے تھے مگر ان کا مطلوبہ شکار انہیں دکھائی نہ دیا تھا۔

آدم خور کو ہلاک کرنے کے سلسلے میں ہماری ناکامی کی یہ وجہ نہ تھی کہ ہم نے کوئی ایسی حرکت کی تھی جو ہمیں نہ کرنی چاہئے تھی یا ہمارے انتظامات میں کوئی کسر رہ

گئی تھی۔ اس کی وجہ فقط بدنصیبی تھی۔ یہ بدنصیبی تھی جس نے مجھے بروقت برقی ٹارچ حاصل نہ ہونے دی۔ جس نے ایبٹ سن کی ٹانگیں سن کر دیں اور وہ انہیں پھیلانے پر مجبور ہو گئے اور جس سے لکڑی کے تنختے میں آواز پیدا ہونے سے چیتا بھاگ گیا۔ جس نے چیتے پر زہر کو بے اثر بنا دیا اور انجام کار جس نے آدمیوں سے لوہے کا پھندا گرا کر اس کا ایک دانت توڑ دیا۔ معمر عورت کی لاش پر چیتے کو ہلاک کرنے میں ناکامی کے بعد جب ایبٹ سن پوری چلے گئے تو میرے ولولوں میں ذرا فرق نہ آیا۔ اب بھی چیتے کو ہلاک کرنے کے سلسلے میں مجھے اتنے ہی مواقع میسر تھے جتنے رودر پریاگ پہلے دن آنے پر تھے۔ حقیقت میں پہلے سے بھی زیادہ کیوں کہ اب میں آدم خور کی صلاحیتوں سے واقف ہو گیا تھا۔

یہ بات میرے لئے بڑی بے چینی کا سبب بنی ہوئی تھی کہ چیتے کو دریا کی ایک جانب ہی رکھا جائے۔ اگرچہ یہ ناانصافی تھی کہ دریا کی ایک جانب کے لوگ تو آدم خور کی دہشت میں گرفتار رہیں اور دوسری سمت کے لوگ آزادی سے گھومیں پھریں۔ میری آمد سے دو دن پہلے جو لڑکا ہلاک ہوا تھا اس کے علاوہ تین مزید آدمی دریا کے بائیں کنارے پر اپنی جانیں کھو چکے تھے اور ابھی مزید لوگ ہلاک ہو سکتے تھے۔ اس کے باوجود اگر دونوں پلوں کو کھول دیا جاتا اور چیتا دریا کی دائیں سمت چلا جاتا تو میری مشکلات میں سو گنا اضافہ ہو جاتا مگر ایسا کرنے سے گھڑوال والوں کو مجموعی طور پر کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ کیوں کہ دریا کی دائیں سمت بسنے والے لوگوں کی زندگیاں بھی اتنی ہی قیمتی تھیں جتنی دریا کی بائیں سمت کے باسیوں کی۔ لہٰذا میں پلوں کو بند رکھنے کے فیصلے پر قائم رہا۔ یہاں میں دریا کی بائیں سمت بسنے والے لوگوں کا شکریہ ادا کرنا نہیں بھول سکتا جو یہ جانتے ہوئے کہ پلوں کو بند کر کے آدم خور کی سرگرمیوں کو ان کے علاقے تک محدود کیا جا رہا ہے انہوں نے نہ تو کبھی خود ہی پل کھولنے کی کوشش کی اور نہ ہی اس سلسلے میں کبھی مجھ سے کہا۔

پلوں کو بند رکھنے کا فیصلہ کرنے کے بعد میں نے ایک شخص کو خطرے سے آگاہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے کے لئے دیہات میں بھیج دیا اور دشت نوردی کے دوران میں جو شخص مجھے ملتا اسے خود بھی اس خطرے سے آگاہ کر دیتا۔ میں نے راستوں پر اور دیہات میں جتنے لوگوں سے باتیں کیں ان میں سے ایک شخص نے بھی اس بات کا شکوہ نہ کیا کہ چیتے کو ان کے علاقے میں کیوں محدود کیا گیا تھا۔ اس کے برعکس میں جہاں کہیں بھی گیا لوگوں نے میری خوب آؤ بھگت کی اور وہاں سے ان کی آشیر بادیں لے کر رخصت ہوا۔ وہ ان الفاظ سے میری حوصلہ افزائی کرتے کہ اگر چیتا اب تک ہلاک نہیں ہوا تھا تو افسوس کی کیا بات تھی۔ آخر آج نہیں تو کل وہ اپنے کئے کی ضرور ضرور سزا پائے گا۔

○

ایک جنگلی سؤر کا تعاقب

گزشتہ شام میرا پرانا دوست بوڑھا گلہ بان اپنی بکریوں کے ہمراہ ہردوار سے واپس آ گیا تھا اور اس نے پھر پہلی جگہ کھیت کے وسط میں ڈیرے ڈال لئے تھے۔ وہ ہردوار سے بدری ناتھ کی اس طرف کے دیہات کے لئے نمک اور گڑ لایا تھا۔ اس نے اپنی بکریوں اور بھیڑوں پر خاصا بوجھ لاد رکھا تھا اور اس کا آخری سفر نسبتاً طویل تھا۔ نتیجتاً رات کو چند بکریاں باڑے سے نکل گئیں جن میں سے ایک کو پچھلے پہر چیتا سڑک کے قریب ہلاک کر گیا۔ اس کے کتوں کے بھونکنے کی آواز نے اسے بیدار کر دیا اور جب ذرا روشنی ہوئی تو اسے افسوسناک صورت حال کا پتہ چلا۔

گزشتہ شب آدم خور کے رویے نے بتا دیا تھا کہ جب ایک چیتا آدم خور بن جائے اور اسے انسانوں سے رابطہ قائم کئے آٹھ برس ہو جائیں تو اس کی عادات کس حد تک بدل جاتی ہیں۔

یہ فرض کر لینا معقول تھا کہ پھندے میں گرفتار ہونے پر آدم خور کو بڑا صدمہ ہوا تھا اور وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ وہ پھندے کو اٹھا کر دس گز تک جس طرح لے گیا تھا اور وہ غصیلی آواز سے گرجا تھا' میرے اس مفروضے کا واضح ثبوت ہیں۔ پھندے سے نکلنے کے بعد اس سے امید کی جاتی تھی کہ وہ انسانوں سے حتی الامکان دور کسی تنہا جگہ چلا جائے اور جب تک اسے بھوک تنگ نہ کرے وہیں رہے۔ لیکن اس کے برعکس وہ اپنے شکار کے گرد و نواح میں رہا تھا۔ اور جب ہم مچان پر چڑھ کر سو گئے تو وہ تحقیق کے لئے ادھر آیا۔ خوش قسمتی سے ایبٹ سن نے مچان کے گرد لوہے کی خار دار تار لگا رکھی تھی ورنہ ایسے کئی واقعات سننے میں آئے ہیں کہ آدم خور چیتے نے ان شکاریوں کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہلاک کر دیا تھا جو انہیں شکار کرنے کی خاطر گھات میں بیٹھے تھے۔

آم کے درخت کے نیچے چکر لگا کر آدم خور گاؤں کی پگڈنڈی کے ساتھ ساتھ اس سمت چل دیا جہاں ایک دوسری پگڈنڈی اس سے مل جاتی تھی۔ خون کے ڈھیر کے قریب سے وہ دائیں سمت مڑ گیا اور ایک میل چل کر یاترا سڑک پر آ گیا۔ یاترا سڑک پر چار میل چل کر وہ رودر پریاگ کے گنجان علاقے میں داخل ہو گیا۔ رودر پریاگ میں داخل ہونے پر وہ بازار میں آیا اور اسے عبور کر کے معائنہ بنگلے کے دروازے تک گیا۔ گزشتہ شب کی بارش نے سڑک کی مٹی ہموار کر دی تھی جس پر چیتے کے پنجوں کے نشان صاف دکھائی دیتے تھے اور ان سے پتا چلتا تھا کہ پھندے میں پھنسنے پر چیتے کی ٹانگ پر کوئی گہرا زخم نہ آیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں بنگلے کے دروازے سے چیتے کے پنجوں کے نشانات کے تعاقب میں نکل پڑا۔ وہ مجھے گلہ بان کے باڑے تک لے گئے۔ باڑے سے تقریباً سو گز دور سڑک پر ایک موڑ سے چیتے نے ان بکریوں کو دیکھا جو باڑے سے نکل کر ادھر ادھر چر رہی تھیں۔ وہ سڑک سے پیٹ کے بل رینگتا ہوا ان تک آیا اور ایک بکری ہلاک کر کے واپس سڑک پر چلا گیا۔ اسے کھانا تو ایک طرف رہا اس نے اس کا خون تک نہ پیا۔

باڑے میں گلہ بان کے دو رکھوالے کتے تھے۔ جنہیں اس نے مضبوط زنجیروں سے باندھ رکھا تھا۔ ایسے کتوں کا کام رات کے وقت اپنے مالک کے مویشیوں کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایسے دو کتوں نے ایک چیتا ہلاک کر دیا تھا۔ دن کے وقت جب گلہ بان اپنے مویشی چرانے کے لئے باہر لے جاتے ہیں تو یہ کتے ان کے پڑاؤ کے اندر کسی کو گھسنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ایسے کتے بعض اوقات چوروں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

بکری کو ہلاک کرنے کے بعد چیتا جدھر گیا تھا میں ادھر چل پڑا۔ گلاب رائے سے گزر کر ایک میل آگے وہ ایک ندی میں سے گزر کر اس کی دوسری سمت جنگل میں داخل ہو گیا تھا۔ آم کے درخت سے ندی تک آدم خور نے کوئی آٹھ میل کا فاصلہ

طے کیا تھا۔ ایک عام چیتا اپنے شکار سے دور اس قدر طویل اور بظاہر بے مقصد سفر ہرگز نہ کرتا اور نہ ہی بھوک کی عدم موجودگی میں بکری کو ہلاک کرتا۔

ندی سے دو فرلانگ دور بوڑھا گلہ بان سڑک کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھا بان کی رسی بٹ رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے ریوڑ کی نگرانی بھی کر رہا تھا جو کھلی جگہ پر چر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بان بٹنا چھوڑ دیا اور میرا سگریٹ قبول کر کے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اس کے پڑاؤ کے قریب سے گزر آیا تھا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا اور اسے بتایا کہ بدروح نے اس کی بہترین بکری سے جو سلوک کیا تھا وہ بھی میں دیکھ آیا تھا۔ پھر میں نے اسے مشورہ دیا کہ اگلی مرتبہ جب وہ ہردوار جائے تو اپنے کتے اونٹوں والوں کے پاس فروخت کر آئے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ان میں چیتے پر حملہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اس نے یوں سر ہلایا جیسے اسے میرے الفاظ سے اتفاق ہو۔ پھر اس نے کہا۔ صاحب! بعض اوقات تجربہ کار لوگ بھی غلطی کر بیٹھتے ہیں اور اس کا خمیازہ بھگتتے ہیں' جیسا کہ گزشتہ شب مجھے بھگتنا پڑا ہے۔ میرے کتوں میں شیروں جیسی جرات ہے اور وہ گھڑوال میں بہترین کتے ہیں۔ آپ کے یہ الفاظ کہ وہ اونٹوں والوں کو فروخت کئے جانے کے قابل ہیں' ان کی بے عزتی ہے۔ میرا پڑاؤ سڑک کے بہت قریب ہے' مجھے ڈر تھا کہ اگر اتفاق سے رات کے وقت کوئی ادھر آ گیا تو کتے اسے زخمی نہ کر دیں لہٰذا انہیں کھلا چھوڑنے کے بجائے میں نے انہیں باڑے کے باہر مضبوط زنجیروں سے باندھ دیا۔ اس کا نتیجہ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ مگر صاحب! کتوں کو الزام نہ دیں۔ انہوں نے میری بکری کو بچانے کی خاطر زور لگا لگا کر پٹوں سے اپنی گردنیں کاٹ لی ہیں اور وہاں گہرے زخم پڑ گئے ہیں جنہیں مندمل ہونے میں کئی دن لگیں گے۔"

جب ہم گفتگو میں مشغول تھے تو دریائے گنگا کے دوسرے کنارے پہاڑی کے اوپر کوئی جانور نمودار ہوا۔ پہلی نظر میں اپنی جسامت اور رنگ سے وہ ہمالیہ کا ریچھ محسوس ہوا لیکن جب وہ پہاڑی سے اتر کر دریا کی سمت آیا تو وہ ایک جنگلی سؤر نکلا۔ سؤر کے تعاقب میں گاؤں کے کتوں کا ایک گروہ تھا اور ان کے پیچھے آدمیوں اور لڑکوں کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک ہجوم جو لاٹھیوں وغیرہ سے مسلح تھا۔ سب سے آخر میں ایک آدمی نے بندوق اٹھا رکھی تھی۔ پہاڑی پر نمودار ہوتے ہی اس نے نشانہ لیا اور خانہ ساز بندوق داغ دی۔ بندوق سے دھویں کا ایک چھوٹا سا بادل نمودار ہوا جس کے پیچھے اس شخص کا چہرہ چھپ گیا بندوق کے نشانے کی حدود میں آدمیوں اور لڑکوں کے سوا اور کوئی زندہ چیز نہ تھی۔ چونکہ کسی آدمی یا لڑکے نے بھاگنا ترک نہ کیا تھا اس سے پتا چلتا تھا کہ شکاری کا نشانہ خطا گیا تھا۔

سؤر کے سامنے گھاس سے اور کہیں کہیں جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی ڈھلوان تھی گھاس کے نیچے کئی پھٹی زمین کا ایک قطعہ آتا تھا اور اس کے نیچے گھنی جھاڑیوں کا جنگل تھا جو دریا کے کنارے تک پھیلا ہوا تھا۔

کئی پھٹی زمین پر پہنچ کر سؤر کو سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ کیا کرے۔ آخر سؤر اور کتے گھنی جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ دوسرے لمحے ماسوا سؤر کے تمام کتے جھاڑیوں سے باہر نکل آئے۔ جب لڑکے اور آدمی بھی وہاں پہنچ گئے تو وہ کتوں کو جھاڑیوں کے اندر گھسنے کی ترغیب دینے لگے مگر کتے اندر جانے سے گھبراتے تھے۔ شاید انہیں معلوم تھا کہ سؤر اپنی سونڈ سے ان کے ساتھ کیسا سلوک کر سکتا ہے۔ تب بندوق والا آدمی وہاں پہنچا اور ہجوم نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔

ہم جو قدرے بلند جگہ پر بیٹھے تھے اور ہمارے درمیان دریا نہ رہا تھا' ہمارے لئے دریا کے دوسرے کنارے کا منظر خاموش فلم کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ دریا کے شور نے ہر آواز نگل رکھی تھی اور ہمیں فقط بندوق کی آواز سنائی دی تھی۔

کتوں کی طرح شکاری بھی جھاڑیوں میں داخل ہونے پر تیار نہ تھا۔ اور دوسرے لمحے وہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک چٹان پر بیٹھ گیا جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ "میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب تم بھی تو کچھ کرو۔" آخر لڑکے اور آدمی جھاڑیوں کے اندر پتھر پھینکنے لگے۔

جب یہ کارروائی جاری تھی تو ہم نے سؤر کو جھاڑیوں کے نچلے کنارے سے نکلتے

دیکھا۔ چند تیز قدموں کے ساتھ وہ کھلی جگہ پر آ گیا اور کچھ دیر بالکل ساکت کھڑا رہا۔ پھر اس نے چند قدم اٹھائے اور دوبارہ رک گیا آخر تھوڑا سا بھاگ کر اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ جنگلی سؤر بڑے اچھے تیراک ہوتے ہیں اور وہ تیرتے وقت اپنے پاؤں سے اپنی گردن نہیں کاٹتے جیسا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔

دریا کی رو بڑی تیز تھی لیکن جنگلی سؤر سے زیادہ کوئی جانور دل گردے والا نہیں ہوتا۔ پانی کا تیز دھارا اسے دو فرلانگ تک بہا لے گیا' اس کے باوجود وہ تیر رہا تھا اور ہمارے قریب پہنچ چکا تھا۔

"صاحب! کیا سؤر آپ کی رائفل کی دسترس میں تھا؟" بوڑھے گلہ بان نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میں گھڑوال میں سؤر مارنے نہیں آیا۔ میں تو اس چیز کو ہلاک کرنے آیا ہوں جسے آپ لوگ ایک بدروح سمجھتے ہیں اور جو میرے نزدیک ایک چیتا ہے۔"

آپ جو جی چاہے سمجھیں۔" اس نے کہا۔ "اب جب کہ آپ جا رہے ہیں اور ممکن ہے کہ ہم دوبارہ کبھی نہ مل سکیں' میری دعائیں لیتے جائیں۔ اس بات کا فیصلہ تو وقت ہی کر سکتا ہے کہ ہم میں کون سچائی پر ہے۔"

مجھے افسوس ہے کہ وہ بوڑھا گلہ بان مجھے پھر کبھی نہ مل سکا۔ بہرحال وہ بڑا عمدہ اور زندہ دل بوڑھا تھا۔ وہ لوسیفر کی طرح صاحب پندار تھا اور ان زمانوں کی طرح خوش تھا جب چیتے اس کی بہترین بکریاں نہ کھایا کرتے تھے اور کوئی شخص اس کے کتوں کی جرات کو مشکوک نظروں سے نہ دیکھا کرتا تھا۔

○

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صنوبر کے درخت پر شب بیداری

اگلے دن ایبٹ سن پوری واپس چلے گئے۔ دوسری صبح جب میں رودر پریاگ کے مشرق کے دیہات دیکھ رہا تھا تو مجھے آدم خور کے پنجوں کے نشان ایک ایسے راستے پر مل گئے جو ایک گاؤں کی سمت سے آتا تھا۔ اس گاؤں میں آدم خور نے گزشتہ شب ایک ایسے مکان کا دروازہ توڑنے کی کوشش کی تھی جس کے اندر ایک بچہ کھانسی میں مبتلا تھا۔ دو میل چلنے کے بعد وہ نشان مجھے پہاڑ کے شانے پر لے گئے جہاں چند دن پہلے میں اور ایبٹ سن پگڈنڈی پر ایک بکرا باندھ کر چیتے کے انتظار میں بیٹھے تھے اور جسے بعد میں چیتے نے ہلاک کر دیا تھا۔

ابھی پو پھٹنے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی۔ اس توقع پر کہ شاید چیتا کسی جگہ آرام کرتا ہوا مل جائے' میں ایک بلند چٹان پر دراز ہو گیا جہاں سے گرد و نواح کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ گزشتہ شام بارش ہونے سے فضا کا گرد و غبار دھل گیا تھا۔ ہر چیز واضح اور صاف ستھری دکھائی دیتی تھی۔ میرے نیچے الک نندہ کی خوبصورت وادی تھی جس میں دریا چاندی کی ایک روشن لکیر کی مانند بل کھاتا ہوا بہہ رہا تھا۔ دریا سے دور پہاڑی پر چھوٹے چھوٹے دیہات دھبوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ دیہاتی مکان ایک دوسرے کے ساتھ بنے ہوتے ہیں تاکہ سانجھی دیواروں سے اخراجات بچ سکیں۔ اس کے علاوہ لوگ جگہ کی بچت کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ زمین کھیتی باڑی کے لئے بچ جائے۔

پہاڑیوں سے دور سنگین چٹانیں تھیں جن کے نیچے زمستان اور آغاز بہار میں

برف کے تودے لڑھک آتے ہیں۔ چٹانوں کے اوپر دور ابدی برف کا تسلط رہتا ہے جو نیلے آسمان کے مقابل میں بالکل واضح دکھائی دیتی ہے۔ اس سے زیادہ خوبصورت اور پرسکون منظر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود جب سورج' جو اب میرے سر کی پشت پر چمک رہا تھا' برفیلے پہاڑوں کے عقب میں روپوش ہو جاتا ہے تو ایک ایسی دہشت اس وادی کو اپنی گرفت میں جکڑ لیتی ہے جسے تجربہ کئے بغیر محسوس کرنا ممکن نہیں۔ یہ دہشت اس وادی پر گزشتہ آٹھ برس سے مسلط تھی۔

مجھے چٹان پر لیٹے ایک گھنٹہ ہو گیا تھا کہ دو آدمی پہاڑی سے اترے۔ وہ بازار کی سمت جا رہے تھے۔ وہ ایک میل دور پہاڑی کی دوسری سمت سے اس گاؤں سے آئے تھے جہاں میں گزشتہ روز گیا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے اس طرف ایک چیتے کی آواز سنی تھی۔ ہم بکری باندھ کر چیتے پر گولی چلانے کے امکانات پر بحث کرتے رہے۔ چونکہ اس وقت میرے پاس اپنی کوئی بکری نہ تھی لہٰذا انہوں نے اپنے گاؤں سے میرے لئے ایک بکری لانے کی پیش کش کی اور وعدہ کیا کہ سورج غروب ہونے سے دو گھنٹے پہلے وہ مجھے اس جگہ ملیں گے۔

جب وہ آدمی چلے گئے تو میں رات بھر بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ دیکھنے لگا۔ پہاڑ کے اس سارے حصے میں فقط صنوبر کا ایک تنہا درخت تھا۔ وہ اس راستے پر کھڑا تھا جدھر سے وہ آدمی آئے تھے۔ اس درخت کے نیچے سے ایک اور راستہ نکل کر بل کھاتا ہوا پہاڑ کے بالائی حصے کی سمت جاتا تھا جہاں میں چیتے کو تلاش کرتا رہا تھا۔ درخت پر سے دور دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن اس پر چڑھنا دشوار تھا اور شاخوں کی کمی کے سبب ان میں اچھی طرح چھپا بھی نہ جا سکتا تھا۔ بہرحال اس علاقے میں فقط وہی ایک درخت تھا۔ ناچار میں نے اس پر بیٹھ کر قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

چار بجے کے قریب میں واپس اس جگہ پہنچا تو وہ دونوں آدمی بکری کے ہمراہ میرا انتظار کر رہے تھے ان کے ایک سوال کے جواب میں جب میں نے انہیں بتایا کہ میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صنوبر کے درخت پر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہوں تو وہ ہنسنے لگے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ رسوں کے زینے کی مدد کے بغیر درخت پر چڑھ بھی گیا تو وہ مجھے آدم خور سے کس طرح محفوظ رکھ سکے گا۔ گھڑوال میں فقط دو انگریز تھے ان میں سے ایک ایبٹ سن تھے۔ دونوں بچپن میں پرندوں کے انڈے جمع کرنے کا جنون رکھتے تھے اور درختوں پر بخوبی چڑھ سکتے تھے۔ جہاں تک چیتے سے محفوظ رہنے کا تعلق تھا میں نے ان آدمیوں سے کچھ نہ کہا اور فقط اپنی رائفل کی طرف اشارہ کر دیا۔

صنوبر کے درخت پر چڑھنا آسان نہ تھا۔ بیس فٹ تک اس پر کوئی شاخ نہ تھی۔ لیکن ایک دفعہ پہلی شاخ تک پہنچنے کے بعد باقی کام آسان تھا۔ میں اپنے ہمراہ ایک سوتی رسی لے آیا تھا جسے میں نے نیچے لٹکا دیا اور ان آدمیوں نے میری رائفل اس کے ساتھ باندھ دی اور میں نے اسے اوپر کھینچ لیا۔ پھر میں درخت کی چوٹی پر چڑھ گیا جہاں شاخیں مجھے کسی قدر چھپا سکتی تھیں۔

آدمیوں نے مجھے یقین دلایا کہ بکری بڑے ممیانے والی ہے وہ اسے درخت کی ایک ننگی جڑ کے ساتھ باندھ کر یہ وعدہ کر کے چلے گئے کہ اگلی صبح وہ وہاں پہنچ جائیں گے۔ بکری آدمیوں کو جاتا ہوا دیکھتی رہی اور پھر درخت کے نیچے اگی ہوئی گھاس چرنے لگی---- یہ حقیقت کہ وہ اب تک ایک دفعہ بھی نہ ممیائی تھی' مجھے بالکل پریشان نہ کر رہی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ جلد ہی وہ خود کو تنہا محسوس کر کے ممیانے لگے گی۔ اگر اندھیرا چھانے سے پہلے پہلے وہ ممیانے لگی اور چیتا اس کی آواز سن کر ادھر آ نکلا تو بکری پر حملہ آور ہونے سے پہلے ہی میں نے اسے ہلاک کر دینا تھا۔

جب میں درخت پر چڑھا تو برف پوش پہاڑوں کے سائے دریائے الک نندہ پر پڑنے لگے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ سائے رینگتے ہوئے مسجد سے آگے گزر گئے۔ آخر فقط پہاڑوں کی چوٹیاں سرخ روشنی میں چمکتی رہ گئیں۔ جب یہ روشنی بھی ختم ہو گئی تو جہاں جہاں برف پر سورج کی آخری شعاعیں پڑ رہی تھیں وہاں سے روشنی کے

دھارے پھوٹنے لگے۔ جس کسی کو بھی خدا نے غروب آفتاب کا نظارہ کرنے کے لئے آنکھ بخشی ہے' اور افسوس ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے' اس کا خیال ہے کہ ہندوستان کے اس حصے میں غروب آفتاب کے منظروں کا مقابلہ دنیا کے اور کسی حصے کے غروب آفتاب کے منظر نہیں کر سکتے۔ میں بھی ان لوگوں سے متفق ہوں۔ دوسرے درجے پر ٹانگانیکا میں برف پوش کلومنجا رو پہاڑ کے غروب آفتاب کے منظر ہیں۔ ہمالیہ کے غروب آفتاب کے منظر زیادہ تر سرخ' آتشی اور طلائی ہوتے ہیں۔

بہت سے انسانوں کی طرح بکریوں کو بھی غروب آفتاب کے منظر سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ آس پاس کی گھاس چرنے کے بعد اس نے زمین پر کھرمارے اور گچھا مچھا ہو کر لیٹ گئی۔ بکری کے اس رویے نے مجھے عجیب تذبذب میں گرفتار کر دیا۔ میں نے بکری پر بھروسہ کیا تھا کہ وہ ممیا کر چیتے کو اپنی سمت بلائے گی مگر وہ اب میرے نیچے آرام سے سو رہی تھی۔ اس نے گھاس کھانے کے سوا ایک مرتبہ بھی منہ نہ کھولا تھا۔ اب پیٹ بھرنے کے بعد اس نے رات بھر آرام سے سونا تھا۔ اس وقت درخت سے اتر کر بنگلے کی طرف جانا جان بوجھ کر خودکشی کرنے والوں میں اپنا نام لکھوانے کے مترادف تھا۔ چونکہ میں نے ابھی آدم خور کو ٹھکانے لگانے کا فرض انجام دینا تھا لہٰذا میں نے درخت پر ہی بیٹھے رہنے اور خود چیتے کو اس طرف بلانے کی کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ ہندوستان کے جنگلوں میں اتنا عرصہ گزارنے سے مجھے کس چیز نے سب سے زیادہ لطف دیا ہے تو میں بلا جھجک کہوں گا کہ میں نے جنگل کے جانوروں اور پرندوں کی زبانوں کے علم سے سب سے زیادہ لطف حاصل کیا ہے۔ جنگلوں میں کوئی بین الاقوامی زبان نہیں ہوتی۔ ہر نسل کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض نسلوں کا ذخیرہ الفاظ محدود ہوتا ہے (جیسا کہ پشت خار اور گدھوں کا ہے) لیکن عموماً دوسری نسلوں کی زبان جنگل کے باسی آپس میں بخوبی سمجھتے ہیں۔ جنگل کے باسیوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی آوازوں کے برعکس انسان کی آواز میں تھوڑی سی کشش سے مرضی کے مطابق رد و بدل پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس لئے انسان کے لئے بہت سے جانوروں اور پرندوں سے رابطہ کر لینا آسان ہے۔ جانوروں اور پرندوں کی آوازیں نکالنے سے جو لطف حاصل ہوتا ہے اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے مگر اس قابلیت سے جنگل میں بہت سا فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مثال زیل میں درج ہے۔

1918ء کے فورا" بعد میں اور میرا دوست لائنل فورنسکو ہمالیہ کے دامن میں فوٹو گرافی اور مچھلی کے شکار کے لئے گئے۔ ایک شام ہم ایک بڑے پہاڑ کے چبوترے میں ایک فارسٹ بنگلے میں پہنچے۔ اس پہاڑ کے پرے ہماری منزل یعنی وادی کشمیر تھی۔ ہم پتھریلی زمین پر کئی روز سے پیدل سفر کر رہے تھے۔ ہمارے آدمیوں کو آرام کی ضرورت تھی۔ لہٰذا ہم نے اس بنگلے میں ایک دن قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگلے دن فورنسکو تو اپنے نوٹ لکھنے میں مشغول ہو گیا اور میں گرد و نواح کے پہاڑ کا جائزہ لینے اور کشمیری بارہ سنگھا شکار کرنے کی کوشش میں نکل پڑا۔ میرے وہ دوست جو کشمیر میں شکار کھیل چکے تھے انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ کسی تجربہ کار شکاری کی مدد کے بغیر کسی بارہ سنگھے کی تلاش کرنا ممکن نہ تھا اور اس بات کی تصدیق فارسٹ بنگلے کے چوکیدار نے بھی کی تھی۔ سارا دن میرے سامنے تھا لہٰذا میں اکیلا چل پڑا۔ مجھے یہ بالکل معلوم نہ تھا کہ بارہ سنگھے کتنی بلندی اور کس قسم کی جگہ پر مل سکتے تھے۔ وہ پہاڑ کوئی بارہ ہزار فٹ بلند تھا۔ ابھی میں نے آٹھ ہزار فٹ طے کئے تھے کہ ایک طوفان باد و باراں نے مجھے گھیر لیا۔

بادلوں کی رنگت سے مجھے پتا چل گیا تھا کہ مجھے ژالہ باری دیکھنی ہو گی۔ لہٰذا میں نے پناہ گاہ کے طور پر ایک درخت منتخب کر لیا۔ میں نے انسانوں اور جانوروں کو ژالہ باری سے مرتے دیکھا تھا۔ ایسی ژالہ باری کے دامن میں برق بھی پوشیدہ ہوتی ہے لہٰذا میں نے کسی بڑے درخت کے بجائے ایک چھوٹا سا درخت چنا جس کی چوٹی چھتری نما

اور شاخیں گھنی تھیں۔ پھر میں نے آس پاس سے خشک پتے اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کر دی۔ ژالہ باری کے دوران میں درخت کے نیچے آگ کے قریب بڑے آرام سے بیٹھا رہا۔

ژالہ باری ختم ہوئی تو سورج نکل آیا۔ درخت کے نیچے سے نکلتے ہی مجھے محسوس ہوا جیسے میں کسی پرستان میں آ گیا ہوں سورج کی شعاعوں میں ہر طرف غالیچے کی طرح بچھے ہوئے اولے کانچ کی گولیاں دکھائی دیتے تھے۔ میں نے اوپر کی سمت پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ کوئی دو تین ہزار فٹ طے کئے ہوں گے کہ چٹانوں کا ایک سلسلہ دکھائی دیا جس کے نیچے جنگلی پھولوں کے رنگین قافلے اترے ہوئے تھے۔ پھولوں کا ایسا مسحور کن نظارہ میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

پھسلن کے سبب چٹانوں پر چڑھنا مشکل تھا۔ ویسے ان پر چڑھنے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ لہٰذا میں چٹانوں کے ساتھ ساتھ بائیں سمت چل پڑا۔ نصف میل طے کرنے پر میں ایک ڈھلوان کے کنارے پہنچ گیا۔ یہ ڈھلوان پہاڑ کے اوپر سے شروع ہو کر کئی ہزار فٹ نیچے جنگل تک پھیلی ہوئی تھی۔ میں درختوں کے نیچے سے اس سرسبز ڈھلوان کی سمت آ رہا تھا کہ مجھے ڈھلوان کی دوسری سمت ایک اونچی جگہ پر کوئی جانور کھڑا نظر آیا۔ اس کی دم میری سمت تھی۔ میں نے کتابوں میں کشمیری بارہ سنگھے کی تصویر دیکھ رکھی تھیں۔ لہٰذا میں نے فورا" اسے پہچان لیا۔

ڈھلوان کی اس سمت اور درختوں سے کوئی تیس گز دور ایک تنہا چٹان تھی جو تقریباً چار فٹ بلند تھی۔ اس چٹان اور بارہ سنگھے کا درمیانی فاصلہ پچاس گز ہو گا۔ میں آہستہ آہستہ اس چٹان کی طرف رینگنے لگا۔ جب بارہ سنگھا سر اٹھاتا تو میں رک جاتا اور جب وہ گھاس چرنے لگتا تو پھر آگے بڑھنے لگتا۔ بارہ سنگھا جس طرح سر اٹھا کر اپنی دائیں سمت دیکھتا تھا اس سے پتا چلتا تھا کہ اس سمت اس کے بعض دوسرے ساتھی بھی تھے۔ اس تنہا چٹان سے اگر میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تو بارہ سنگھے نے مجھے دیکھ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لینا تھا۔ لہٰذا میں نے چٹان کے عقب میں بیٹھ کر چیتے کی آواز نکالنے اور یہ دیکھنے کا فیصلہ کر لیا کہ کیا چیل اور سانبھر کی طرح بارہ سنگھے بھی چیتے کی آواز پر چوکنے ہوتے ہیں کہ نہیں۔ میں زندگی میں پہلی دفعہ کسی بارہ سنگھے کو دیکھ رہا تھا اور ان کے طرز سلوک سے ناآشنا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس علاقے میں ایک چیتا بھی رہتا تھا کیونکہ اپنے سفر کے دوران مجھے اس کے پنجوں کے نشان بھی دکھائی دیئے تھے۔ میں نے اپنی ایک آنکھ چٹان سے باہر نکالی اور چیتے جیسی آواز میں بولا۔

آواز سنتے ہی بارہ سنگھا فوراً" میری سمت مڑا اور اپنے اگلے کھر زمین پر مارنے لگا۔ یعنی وہ اپنے ساتھیوں کو خبردار کر رہا تھا۔ لیکن اس کے وہ ساتھی جنہیں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ انہوں نے اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہلنا تھا جب تک بارہ سنگھا انہیں آواز نہ دیتا اور بارہ سنگھے نے اس صورت میں انہیں آواز دینی تھی جب وہ چیتے کو دیکھتا۔ میں ٹویڈ کا خاکستری کوٹ پہن رکھا تھا۔ میں نے اپنا بایاں کندھا تھوڑا سا باہر نکالا اور اسے اوپر نیچے ہلانے لگا۔ بارہ سنگھے نے یہ حرکت فوراً" دیکھ لی اور چند قدم آگے بڑھ کر فوراً" بولنے لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اس کے پاس چلے آئیں۔ سب سے پہلے ایک بچہ بارہ سنگھا آیا۔ دوسرے لمحے چار مزید بارہ سنگھے دکھائی دیئے وہ ریوڑ چھ بارہ سنگھوں پر مشتمل تھا اور وہ مجھ سے پچاس گز دور کھڑے تھے۔ پہلا بارہ سنگھا ابھی تک بول رہا تھا۔ اور اس کے ساتھی خاموش کھڑے کانوں کو جنبش دے رہے تھے۔ ان کی نظریں میرے عقبی جنگل پر لگی تھیں۔ میں برف پر بیٹھا تھا اور زیادہ دیر وہاں بیٹھنے سے سردی لگنے کا امکان تھا۔ میں نے اپنی خواہش کے مطابق کشمیری بارہ سنگھوں کا ایک نمائندہ ریوڑ دیکھ لیا تھا۔ اب میرے دل میں یہ خیال ابھرا کہ سارے ریوڑ کی آواز سنی جائے۔ لہٰذا میں اپنا بایاں شانہ پھر باہر نکال کر ہلانے لگا۔ بارہ سنگھوں کے ریوڑ نے میری یہ خواہش بھی پوری کر دی۔

مجھے کشمیر میں ایک بارہ سنگھا شکار کرنے کی اجازت تھی۔ اگرچہ اس صبح میں بارہ

سنگھا دیکھنے اور اپنے آدمیوں کے لئے گوشت حاصل کرنے کی خاطر نکلا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ مجھے شکار کی کوئی ایسی خاص ضرورت تھی۔ لہٰذا میں اپنی رائفل سمیت چٹان کی اوٹ سے نکل آیا۔ بارہ سنگھوں نے لمحہ بھر میری طرف حیرت سے دیکھا اور پھر چوکڑیاں بھرتے ہوئے نظر سے اوجھل ہو گئے۔

اب میرے واپس جانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے ڈھلوان اتر کر جنگل میں سے گزرنے کا فیصلہ کیا۔ سرسبز ڈھلوان کا زاویہ ایسا تھا کہ انسان خود بخود نیچے اترتا چلا جائے بشرطیکہ وہ اپنے قدم احتیاط سے رکھے۔ میں ایک طرح سے بھاگ رہا تھا اور ابھی کوئی چھ سو گز کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ مجھے ڈھلوان کی بائیں سمت جنگل کے کنارے ایک چٹان کے اوپر کوئی سفید سی چیز دکھائی دی۔ وہ مجھ سے تین سو گز نیچے تھی۔ پہلی نظر میں میں نے اندازہ کر لیا کہ وہ کوئی بکری تھی جو جنگل میں گم ہو گئی تھی۔ ہم نے گزشتہ پندرہ دن سے گوشت نہ کھایا تھا اور میں نے فورنسکو سے وعدہ کیا تھا کہ واپسی پر کوئی شکار لیتا آؤں گا۔ یہ میرے لئے بڑا اچھا موقع تھا۔ بکری نے مجھ دیکھ لیا تھا۔ لیکن اگر میں اس کا شبہ دور کر دیتا تو اس نے مجھے اپنے اس قدر قریب سے گزر جانے دینا تھا کہ میں اسے بخوبی ٹانگ سے پکڑ سکتا۔ لہٰذا ڈھلوان پر سے اترتے وقت میں قدرے بائیں طرف ہوتا گیا۔ اور ساتھ ہی کنکھیوں سے بکری کو بھی دیکھتا رہا۔ اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہتی تو اسے ٹانگ سے پکڑنے کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ جس چٹان پر وہ کھڑی تھی وہ سا کی طرح باہر کو ابھری ہوئی تھی اور میں اس کے نیچے بخوبی کھڑا ہو کر ہاتھ سے اس کی ٹانگ پکڑ سکتا تھا۔ اس کی طرف دیکھے بغیر میں چٹان کے نیچے آ گیا اور جہاں وہ کھڑی تھی وہاں پہنچ کر تیزی سے اپنا بایاں ہاتھ اس کی اگلی ایک ٹانگ پر مارا۔ وہ چوکنی ہو کر ایک دم پیچھے ہٹ گئی اور میرا وار خالی گیا۔ چٹان سے گزر کر جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو یہ جان کر میں حیران رہ گیا کہ وہ بکری نہ تھی بلکہ ایک نایاب ہرن تھا جو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دنیا کے بہت کم علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ ہمارے درمیان کوئی دس فٹ کا فاصلہ تھا اور وہ ناک بھوں چڑھا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں مڑا اور بنگلے کی سمت چل دیا۔ پچاس گز چلنے پر جب میں نے دوبارہ پلٹ کر دیکھا تو وہ ہرن بدستور اسی جگہ کھڑا میری سمت دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ مجھے ڈرا کر بھگا دینے پر خود کو مبارک دے رہے تھا۔ چند ہفتوں بعد جب میں نے یہ واقعہ کشمیر کے گیم وارڈن کو سنایا تو اس نے اس بات پر بہت افسوس کا اظہار کیا کہ میں نے اس ہرن کو شکار کیوں نہ کیا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے وہ جگہ پوچھی جہاں میں نے اسے دیکھا تھا۔ چونکہ جگہوں کے محل وقوع کے سلسلے میں میری یادداشت بڑی کمزور ہے لہٰذا میرا خیال ہے کہ وہ ہرن کسی چڑیا گھر کی زینت نہ بنا ہو گا۔

چیتے جس علاقے میں موجود ہوں اس میں کسی دوسرے چیتے کی مداخلت پسند نہیں کرتے اور اسے اپنا علاقہ تصور کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ آدم خور کا علاقہ پانچ سو مربع میل تک پھیلا ہوا تھا اور اس میں کئی اور بھی چیتے موجود تھے لیکن اس خاص علاقے میں وہ کئی ہفتوں سے موجود تھا۔ اور ممکن تھا کہ وہ صحیح طور پر اسے اپنا سمجھتا ہو۔ اس کے علاوہ جنسی ملاپ کا موسم ابھی ابھی ختم ہوا تھا اور ہو سکتا تھا کہ آدم خور میری آواز کو کسی ایسی مادہ چیتے کی آواز سمجھ بیٹھے جو نر چیتے کی تلاش میں ہو۔ لہٰذا جب خوب تاریکی پھیل گئی تو میں نے چیتے کی آواز نکالی اور یہ دیکھ کر میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی کہ تقریباً چار سو گز دور میری دائیں طرف ایک چیتے نے اس کا جواب دیا۔

ہمارے درمیان کی زمین چٹانی تھی اور اس پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ چیتا سیدھی لکیر میں میری سمت نہ آئے گا اور میرے خیال کے مطابق چٹانوں کے گرد چکر لگا کر اس چھوٹی سی چٹان کے قریب سے نمودار ہو گا جس پر میرا درخت کھڑا تھا۔ جب چیتے کی دوسری آواز آئی تو میرا خیال درست ثابت ہو رہا تھا۔ پانچ منٹ بعد میں نے دیکھا کہ اس کی تیسری آواز اس راستے سے آ رہی تھی جو میرے درخت

کے نیچے سے شروع ہو کر دو سو گز دور پہاڑی کے اوپر چلا گیا تھا۔ چیتے کو سمت سمجھانے کی غرض سے میں نے اس کی تیسری آواز کا جواب بھی دیا۔ تین یا چار منٹ بعد کوئی سو گز کے فاصلے سے اس کی آواز پھر آئی۔

وہ اندھیری رات تھی اور میں نے اپنی رائفل کے ساتھ برقی ٹارچ لگا رکھی تھی۔ میرا انگوٹھا ٹارچ کے بٹن پر تھا۔ درخت کے نیچے سے وہ راستہ پچاس گز تک سیدھی لکیر میں جا کر آگے سے مڑ گیا تھا۔ میرے لئے یہ جاننا ممکن نہ تھا کہ میں کب اور کہاں ٹارچ کی شعاعیں پھینکوں۔ لہٰذا میں انتظار کرنے لگا کہ چیتا بکری پر حملہ کرے تو میں ٹارچ کا بٹن دبا دوں۔

موڑ سے ذرا دور اور درخت سے تقریباً ساٹھ گز دور چیتا پھر بولا اور پہاڑ کی دوسری سمت سے ایک اور چیتے نے اس کی آواز کا جواب دیا۔ اس غیر متوقع آواز کے لئے میں ہرگز تیار نہ تھا۔ اب چیتا اس قدر قریب آ چکا تھا کہ میں اسے آواز نہ دے سکتا تھا۔ چونکہ اس نے آخری دفعہ میری آواز تقریباً دو سو گز دور سے سنی تھی۔ لہٰذا اس نے سوچا ہو گا کہ اب مادہ چیتا دور چلی گئی ہے اور اسے وہاں آنے کے لئے کہہ رہی ہے۔ بہرحال ابھی یہ امکان باقی تھا کہ وہ اس راستے پر اپنا سفر جاری رکھتا اور جب درخت کے نیچے آتا تو اپنے راستے میں بکری کو دیکھ کر اسے ہٹانے کی کوشش کرتا۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ اسے مصرف میں نہ لاتا۔ لیکن بکری کی قسمت تیز تھی۔ چیتے نے مادہ چیتے کی آواز سن کر اس تک جلدی پہنچنے کے لئے ایک مختصر راستہ اختیار کر لیا۔ اور جب میں نے دوبارہ اس کی آواز سنی تو وہ مجھ سے ایک سو گز دور تھا۔ دونوں چیتوں کی آوازیں بتدریج نزدیک ہوتی گئیں اور آخر بند ہو گئیں۔ ایک طویل خاموشی کے بعد ان دونوں کی چوما چاٹی کی آوازیں ایک ایسی جگہ سے آ رہی تھیں جہاں میرے خیال کے مطابق مرغزار ختم ہو کر گھنا جنگل شروع ہو جاتا تھا۔

کئی اعتبار سے چیتے کی تقدیر بڑی تیز تھی۔ جب چیتے جنسی ملاپ میں مشغول ہوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو انہیں شکار کرنا بڑا آسان ہوتا ہے مگر اندھیری رات نے مجھے اپنی جگہ بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔ جنسی ملاپ میں مشغول چیتوں یا شیروں کے تعاقب میں جانے والے شکاری کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اس لمحے شیرنی بے حد زود رنج ہوتی ہے۔ اس کی مناسب وجہ بھی ہے۔ شیر وغیرہ جنسی ملاپ کے وقت بڑے اکھڑ ہو جاتے ہیں اور انہیں یہ احساس نہیں رہتا کہ ان کے پنجے کس قدر تیز ہوتے ہیں۔

چیتا اس رات ہلاک نہ ہو سکا۔ ممکن تھا کہ وہ اگلے دن یا اس سے اگلے دن ہلاک ہو جاتا۔ اتنی بات ضرور تھی کہ اس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری زندگی کے دن بھی پورے ہو چکے تھے۔ ہوا یوں کہ اچانک طور پر آندھی اٹھی اور اس کے سرکش تھپیڑے درخت کو جڑوں سے ہلانے لگے۔ میرا سر نیچے اور ٹانگیں اوپر ہو گئیں۔ چند لمحوں کے لئے مجھے گمان گزرا کہ درخت اپنی استقامت برقرار نہ رکھ سکے گا۔ درخت سے لمحہ بہ لمحہ میرا تعلق ٹوٹتا جا رہا تھا۔ جب آندھی کا زور قدرے تھما تو درخت کے ساتھ میرے حواس بھی بحال ہوئے۔ اس خدشے کے تحت کہ کہیں آندھی دوبارہ نہ آ جائے۔ میں نے جلدی سے رائفل ایک شاخ کے ساتھ باندھی اور درخت کی شاخیں توڑ توڑ کر نیچے پھینکنے لگا تاکہ درخت پر ہوا کا دباؤ کم ہو جائے۔ ممکن ہے درخت نے کئی طوفانوں کا مقابلہ کیا ہو۔ مگر اس نے ایسے مقابلے اپنے اوپر کسی انسان کے بوجھ کے بغیر کئے ہوں گے۔ جب درخت ذرا ہلکا ہو گیا تو وہ پہلے کی طرح خطرناک انداز میں نہ جھولتا تھا۔ خوش قسمتی سے صنوبر کا درخت نسبتاً جوان تھا اور اس کی جڑیں مضبوط تھیں۔ تیز طوفان اسے ایک گھنٹے تک گھاس کے تنکے کی طرح جھنجھوڑتا رہا تھا۔ پھر جس تیزی اور غیر متوقع طور پر طوفان آیا تھا اسی انداز سے تھم گیا۔ اب چیتے کے واپس آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ لہٰذا ایک سگریٹ پینے کے بعد میں بھی بکری کی طرح خواب کی دنیا میں کھو گیا۔

جب سورج طلوع ہو رہا تھا تو میں درخت سے اتر آیا۔ اتنے میں میرے گزشتہ شام کے دونوں ساتھی بھی پہنچ گئے۔ وہ اپنے ہمراہ مزید دو نوجوان لائے تھے۔ انہوں نے مجھ سے آتے ہی پوچھا کہ کیا میں نے رات کو چیتوں کی آواز سنی تھی۔ پھر انہوں نے درخت کی کٹی ہوئی شاخیں دیکھ کر مجھ سے سوال کیا کہ وہ کیسے ٹوٹ گئی تھیں۔ ان کے پہلے سوال کے جواب میں میں نے انہیں بتایا کہ میں رات کو چیتوں سے دوستانہ گفتگو کرتا رہا تھا اور بعد میں بیکار بیٹھنے کے بجائے درخت کی شاخیں توڑنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ پھر میں نے پوچھا کہ وہ رات کے طوفان سے باخبر تھے۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا۔ "صاحب! ایسا طوفان اس علاقے میں پہلے کبھی نہیں آیا۔ ہوا میری جھونپڑی کو اڑا لے گئی ہے۔"

اس کے ساتھی نے فوراً جواب دیا۔ "صاحب! آپ ہرگز افسوس نہ کریں۔ شیر سنگھ کتنے عرصے سے اپنی جھونپڑی دوبارہ بنانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ طوفان نے اسے جھونپڑی کو ڈھانے کی زحمت سے بچا لیا ہے۔"

○

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دہشت کی رات

صنوبر کے درخت پر شب بیداری کے بعد مجھے کئی دن تک آدم خور کا اتا پتہ نہ چل سکا۔ وہ صنوبر کے درخت کے گرد و نواح میں دوبارہ نہ آیا اور نہ ہی مجھے اس مادہ چیتے کا پتا چل سکا جس نے اس کی زندگی بچائی تھی۔ میں نے اسے جنگلوں اور کھیتوں میں تلاش کیا۔ ان جنگلوں سے میں بخوبی آشنا تھا اور اگر چیتا وہاں ہوتا تو جانوروں اور پرندوں نے اس کی موجودگی کی غمازی کر دینی تھی۔

ظاہر ہے کہ مادہ چیتا اس وقت جنسی ملاپ سے بے چین اپنے گھر سے دور بھٹک رہی تھی جب کہ اس نے میری آواز سنی تھی اور ساتھی ملنے پر اسے اپنے ہمراہ اپنے علاقے میں لے گئی تھی۔ لیکن چیتے نے جلدی واپس لوٹ آنا تھا۔ چونکہ دریا کے بائیں کنارے پر لوگوں کی احتیاط کے سبب اس کے لئے انسانی شکار حاصل کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ لہٰذا اس نے پل عبور کر کے دوسری سمت جانے کی کوشش کرنی تھی۔ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اگلی چند راتیں پل پر گزاریں۔

بائیں کنارے پر پل کی طرف تین راستے آتے تھے۔ ان میں سے ایک راستہ جنوب کی طرف سے چوکیدار کے مکان کے قریب سے ہو کر آیا تھا۔ چوتھی رات میں نے چیتے کو چوکیدار کے کتے کو ہلاک کرتے سنا۔ وہ بڑا اچھا کتا تھا اور جب کبھی میں ادھر آتا تو بھاگ کر میرے قریب آ جاتا۔ وہ کبھی کبھار بھونکتا تھا۔ اس رات وہ مسلسل پانچ منٹ تک بھونکتا رہا اور آخر اس کی آواز ایک چیخ میں ڈھل کر خاموش ہو گئی۔ مکان

کے اندر سے چوکیدار کی فقط ایک تیز آواز آئی اور پھر خاموشی پھیل گئی۔ میں نے پل سے خار دار جھاڑیاں ہٹا کر راستہ کھول رکھا تھا اگرچہ میں رائفل کے گھوڑے پر انگلی رکھے تیار بیٹھا رہا مگر چیتے نے اس رات پل عبور کرنے کی کوشش نہ کی۔

صبح کے وقت چیتے کے پنجوں کے نشانات سے معلوم ہوا کہ کتے کو ہلاک کرنے اور اسے راستے پر چھوڑنے کے بعد وہ مینار کی طرف آیا تھا۔ پانچ مزید قدموں نے اسے پل کے اوپر لے آنا تھا مگر اس نے وہ پانچ قدم نہ اٹھائے۔ اس کے برعکس وہ دائیں سمت مڑا اور تھوڑی دور راستے پر چلنے کے بعد یاترا سڑک پر آ گیا۔ یاترا سڑک پر ایک میل چل کر اس کے پنجوں کے نشان دکھائی دینے بند ہو گئے۔

دو دن بعد مجھے خبر ملی کہ گزشتہ شب شمال کی سمت یاترہ سڑک پر سات میل دور ایک چیتے نے ایک گائے ہلاک کر دی ہے۔ مجھے شک تھا کہ وہ گائے آدم خور ہی نے ہلاک کی تھی۔ کیونکہ کتے کو ہلاک کرنے کے بعد اسی شب اس نے ایک مکان کا دروازہ توڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس مکان کے نزدیک دوسری شام اس نے گائے ہلاک کی تھی۔

سڑک کے کنارے بہت سے لوگ میرا انتظار کر رہے تھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ سات میل کا سفر مجھے تھکا دے گا۔ انہوں نے میرے لئے پہلے سے چائے تیار کر رکھی تھی۔ جب ہم آم کے ایک درخت کے سائے میں بیٹھے چائے اور سگریٹ پی رہے تھے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ گائے گزشتہ شب ریوڑ کے ہمراہ واپس نہ آئی تھی۔ صبح کے وقت جب اسے تلاش کیا گیا تو وہ سڑک اور دریا کے درمیان مردہ ملی۔ انہوں نے مجھے کئی ایسے واقعات سنائے جو آدم خور سے بال بال بچاؤ کے سلسلے میں گزشتہ آٹھ برس کے اندر انہیں پیش آ چکے تھے۔ مجھے انہیں لوگوں سے معلوم ہوا کہ چیتے نے دروازے وغیرہ توڑنے کی عادت فقط گزشتہ تین برس میں اختیار کی تھی۔ اس سے پہلے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ فقط ان لوگوں کو پکڑتا تھا جو گھر سے باہر ہوتے یا جن گھروں کے دروازے کھلے رہتے۔ "لیکن صاحب! یہ شیطان اب اس قدر دلیر ہو گیا ہے کہ بعض اوقات جب اس سے کسی مکان کا دروازہ نہیں ٹوٹتا تو وہ مٹی کی دیوار میں سوراخ کر کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔"

جو لوگ ہندوستان کے پہاڑی باشندوں سے واقف نہیں یا مافوق الفطرت کے متعلق ان کے خوف کو نہیں سمجھتے' انہیں یہ بات ناقابل یقین محسوس ہو گی کہ وہ لوگ جو اپنی بہادری کے سلسلے میں دنیا بھر میں مشہور ہوں اور جنہوں نے میدان کار زار میں بڑے بڑے اعزاز حاصل کئے ہوں' وہ کس طرح ایک چیتے کو اپنے مکان کا دروازہ توڑنے یا دیوار میں سوراخ کرنے کی اجازت دیتے تھے' جب کہ ہر گھر میں لوہے کا کوئی نہ کوئی ہتھیار تو ضرور ہوتا ہو گا۔ ان آٹھ برس میں مجھے فقط ایک واقعے کی خبر ہے جب کہ آدم خور کی مدافعت کی گئی اور وہ بھی ایک عورت کی طرف سے۔ وہ اپنے گھر میں اکیلی سو رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ دروازہ اندر کی سمت کھلتا تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر چیتے نے عورت کی بائیں ٹانگ پکڑ لی۔ جب وہ اسے گھسیٹ کر باہر لے جا رہا تھا تو اتفاقاً" عورت کے ہاتھ میں ایک گنڈاسا آ گیا۔ عورت نے گنڈاسے سے چیتے کو ایک کاری ضرب لگائی۔ چیتے نے پھر بھی اس کی ٹانگ نہ چھوڑی۔ اور ٹانگ کو دروازے کے باہر لے آیا۔ دروازے کو عورت نے بند کیا یا وہ اتفاقاً" بند ہو گیا اس کا مجھے علم نہیں' بہرحال عورت دروازے کے اندر سے اور چیتا باہر سے زور لگانے لگا۔ اس کشمکش میں عورت کی ٹانگ اس کے جسم سے جدا ہو گئی اور چیتا اسے لے کر چلا گیا۔ اس زمانے میں مکندی لال گھڑوال کی طرف سے صوبہ جات متحدہ کی دستور ساز اسمبلی کا رکن تھا۔ دوسرے دن وہ الیکشن کے سلسلے میں اس گاؤں میں آیا اور اس نے اگلی رات اس کمرے میں گزاری لیکن چیتا نہ آیا۔ کونسل کو ایک رپورٹ

میں مکندی لال نے بتایا کہ ایک برس میں چیتے نے 75 آدمی ہلاک کئے تھے۔ اور اس نے حکومت کو آدم خور کے خلاف سنجیدہ قدم اٹھانے کے لئے کہا تھا۔

مادھو سنگھ اور ایک دیہاتی کو لے کر میں اس جگہ گیا جہاں گائے پڑی تھی۔ گائے ایک گہرے نشیب میں ہلاک کی گئی تھی۔ سڑک سے دو فرلانگ اور دریا سے ایک سو گز کے فاصلے پر۔ نشیب کے ایک طرف ایک بڑی چٹان تھی اور دوسری سمت چند چھوٹے چھوٹے درخت جن میں کسی پر بھی بیٹھا نہ جا سکتا تھا۔ درختوں کے نیچے اور گائے سے تقریباً تیس گز دور ایک چٹان تھی۔ جس کے پیندے میں ایک کھوہ تھی۔ میں نے اس کھوہ میں بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔

مادھو سنگھ اور اس دیہاتی نے میرے وہاں بیٹھنے پر سخت اعتراض کیا۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے چیتے کا کوئی شکار مناسب جگہ پر پڑا ہوا ملا تھا اور مجھے امید تھی کہ چیتا سر شام ہی اسے کھانے آ جائے گا لہٰذا میں نے ان کے اعتراض کی پروا نہ کی۔ اور انہیں واپس گاؤں بھیج دیا۔

میری جگہ خشک اور آرام دہ تھی۔ اپنی پشت چٹان کے ساتھ لگانے اور اپنی ٹانگیں ایک جھاڑی میں چھپانے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ چیتا مجھے دیکھ نہ سکے گا۔ اور اس سے پہلے کہ اسے میری موجودگی کا احساس ہو میں اسے ڈھیر کر لوں گا۔ میں اپنے ہمراہ ٹارچ اور ایک چاقو بھی لے آیا تھا۔ رائفل میرے گھٹنوں پر تھی۔ اس تیاری سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس تنہا جگہ پر چیتے کو ہلاک کرنے کے سلسلے میں میرے امکانات خاصے روشن تھے۔ اور ایسا موقع اس سے پہلے مجھے کبھی نہ ملا تھا۔

کوئی جنبش کئے بغیر اور اپنی نظریں سامنے چٹان پر جمائے میں ساری شام بیٹھا رہا۔ گزرنے والا ہر لمحہ اس وقت کو نزدیک لا رہا تھا جب چیتے نے اپنے شکار کے پاس آنا تھا۔ آخر وہ وقت آ گیا مگر میری توقع کے خلاف چیتا نہ آیا۔ آس پاس کی چیزیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اندھیرے کے غلاف میں غیر واضح دکھائی دینے لگیں۔ چیتے کے متوقع وقت پر نہ آنے سے مجھے کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ کیونکہ میرے پاس ٹارچ تھی اور اس کا شکار مجھ سے فقط تیس گز دور تھا۔

گہرے نشیب پر مکمل سکوت طاری تھا۔ نشیب کے کنارے خشک پتے پڑے تھے۔ جو ایک طرح سے میرے مددگار تھے۔ دن کی روشنی میں تو میں نے اپنی آنکھوں پر بھروسا کرنا تھا مگر اب مجھے اپنے کانوں اور قوت سامعہ سے کام لینا تھا۔ اپنا انگوٹھا ٹارچ کے بٹن پر اور انگلی گھوڑے پر رکھے جس سمت سے آواز آتی میں ادھر گولی چلانے کے لئے تیار تھا۔

اب چیتے کا نہ آنا مجھے قدرے بے چین کرنے لگا تھا۔ کہیں یہ بات تو نہ تھی کہ چٹانوں میں کسی پوشیدہ جگہ سے اس نے میری ساری کارروائی دیکھ لی ہو اور اب اپنے تیز پنجے میری گردن میں گاڑنے کے لئے تیار بیٹھا ہو۔ اس کے ابھی تک نہ آنے کی اس کے سوا مجھے کوئی دوسری وجہ دکھائی نہ دی۔

کئی گھنٹوں تک میں کانوں پر زور ڈالے بیٹھا رہا۔ اتنے میں آسمان پر بادلوں کا ایک قافلہ نمودار ہوا اور ستارے آہستہ آہستہ اس کی زد میں آنے لگے۔ پھر تھوڑی دیر بعد بارش کے بڑے بڑے قطرے گرنے کی آواز آئی۔ جہاں چند لمحے پہلے مکمل سکوت طاری تھا اب وہاں میگھ سنگیت جاری تھا۔ چیتا جس موقع کا منتظر تھا وہ آ پہنچا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنا کوٹ اتارا اور اسے اپنی گردن کے گرد لپیٹ کر اس کے بازوؤں سے اپنی گردن باندھ دی۔ اب رائفل میرے لئے بیکار تھی لہٰذا میں نے اسے اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔

چاقو کھول کر دائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ وہ آفریدی چاقو تھا اور مجھے امید تھی کہ وہ اپنے پہلے مالک جیسی میری خدمت بھی کرے گا۔ میں نے اسے صوبہ سرحد میں ہنگو

کے مقام پر سرکاری سٹور سے خریدا تھا اور مجھے وہاں کے ڈپٹی کمشنر نے بتایا تھا کہ اس کا پہلا مالک اس سے تین خون کر چکا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک سفاکانہ چیز تھی لیکن اس وقت اسے اپنے ہاتھ میں تھام کر مجھے گونا گوں خوشی ہو رہی۔

عام چیتے بارش کو پسند نہیں کرتے اور بارش آتے ہی کوئی پناہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ لیکن آدم خور عام چیتا نہ تھا اور اس کی پسند اور ناپسند کا کوئی علم نہ تھا۔

جاتے وقت مادھو سنگھ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میرا وہاں کتنی دیر تک بیٹھنے کا ارادہ تھا اور میں نے اسے جواب دیا تھا "جب تک چیتے کو ہلاک کر لوں" لہٰذا اس کی طرف سے مجھے مدد کی کوئی امید نہ تھی لیکن اس وقت مجھے سخت مدد کی ضرورت تھی۔ وہاں بیٹھا رہوں یا چلا جاؤں' یہ سوال میرے ذہن پر بری طرح محیط تھا۔ دونوں میں سے کوئی بات بھی مجھے قابل قبول دکھائی نہ دیتی تھی۔ اگر چیتے نے اس وقت تک مجھے نہ دیکھا تھا تو اپنی جگہ سے اٹھنا حماقت تھی۔ اس کے برعکس اس جگہ مزید چھ گھنٹے بیٹھنا اور ایک نامانوس ہتھیار سے اپنی زندگی کو بچانے کے لئے سارا وقت سوچتے رہنا' یہ ایک ایسا بوجھ تھا' میرا اعصابی نظام جس کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ آخر میں اٹھا' رائفل کندھے پر دھری اور گاؤں کی سمت چل پڑا۔

مجھے فقط پانچ سو گز طے کرنا تھے۔ میرے ایک ہاتھ میں رائفل تھی اور دوسرے میں چاقو۔ میں نے ٹارچ اس خوف کے تحت روشن نہ کی تھی کہ کہیں روشنی دیکھ کر چیتا ادھر نہ آ جائے۔ لہٰذا اس صورت حال میں میرا قدم قدم پر اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گرنا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ آخر سڑک پر پہنچ کر میں نے مادھو سنگھ کو زور سے آواز دی۔ دوسرے لمحے گاؤں میں ایک دروازہ کھلا اور مادھو سنگھ اور اس کا ساتھی لالٹین لئے باہر نمودار ہوئے۔

جب دونوں آدمی مجھ سے آ ملے تو مادھو سنگھ نے مجھے بتایا کہ بارش سے پہلے وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میری طرف سے بالکل متفکر نہ تھا لیکن بارش شروع ہونے کے ساتھ ہی وہ لالٹین جلا کر چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں میرے ساتھ رودر پریاگ جانے کے لئے تیار تھے۔ لہٰذا ہم سات میل کے سفر پر روانہ ہو پڑے۔ سب سے آگے باچی سنگھ اور آخر میں میں رائفل سے ان کی حفاظت کر رہا تھا جب اگلے دن میں وہاں واپس آیا تو گائے اسی حالت میں پڑی تھی مگر سڑک پر آدم خور کے نشانات موجود تھے۔ ہم سے کتنی دیر بعد آدم خور سڑک پر سے گزرا تھا۔ اس کا اندازہ کرنا ذرا مشکل تھا۔

میرے لئے وہ ایک دہشت زدہ رات تھی۔ میں بہت دفعہ خوفزدہ ہوا ہوں' لیکن اس رات جیسا خوف مجھ پر کبھی طاری نہیں ہوا۔ غیر متوقع بارش نے مجھے بالکل تنہا کر دیا۔ اور میں ایک قاتل کے چاقو کو سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔

چیتے چیتے کا مقابلہ

رودر پریاگ تک ہمارا تعاقب کرنے کے بعد چیتا گلاب رائے سے ہوتا ہوا یاترا سڑک پر نیچے کی سمت چلا گیا۔ پھر اس نے وہ ندی پار کی جسے چند روز پہلے اس نے پار کیا تھا اور وہاں سے ایک ایسی پگڈنڈی پر آ گیا جسے رودر پریاگ کی مشرقی پہاڑیوں کے باشندے ہردوار آنے جانے کے لئے شارٹ کٹ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

کیدار ناتھ اور بدری ناتھ کی یاترہ کے لئے لوگ خاص موسم میں آتے ہیں۔ جن بلند پہاڑوں پر یہ مقدس جگہیں واقع ہیں جب وہاں برف پگھلنے لگتی ہے تو یاتریوں کے قافلے روانہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں مندروں کے مہا پجاری میدان کے باسیوں کے نام ایک تار روانہ کرتے ہیں۔ جس کا بڑی شدت سے انتظار کیا جاتا ہے۔ وہ تار چند روز پہلے آیا تھا جس کا مطلب تھا کہ راستہ کھل گیا ہے۔ گزشتہ چند روز سے یاتریوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں رودر پریاگ سے گزر کر ان مقدس جگہوں کی طرف روانہ دکھائی دینے لگی تھیں۔

گزشتہ چند برس میں آدم خور نے یاترہ سڑک پر چند یاتریوں کو ہلاک کیا تھا۔ یہ کم و بیش اس کی عادت بن گئی تھی کہ جب تک یاتری آتے جاتے رہتے وہ اپنے علاقے کی آخری حد تک جاتا اور پھر رودر پریاگ کے مشرق میں پہاڑیوں پر واقع دیہات کے گرد چکر لگا کر رودر پریاگ سے پندرہ میل اوپر سڑک پر آ جاتا۔ آدم خور کے ان مختلف چکروں میں مختلف وقت لگتا۔ لیکن اوسطاً" میں نے دیکھا تھا کہ وہ رودر پریاگ اور گلاب رائے کے درمیان پانچ دن میں تقریباً ایک دفعہ ضرور گزرتا تھا۔ لہٰذا معائنہ بنگلے جاتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت راستے میں میں نے ایک ایسی جگہ چن لی جہاں سے سڑک دکھائی دیتی تھی۔ اگلی دو راتیں میں نے وہاں گزاریں مگر چیتا دکھائی نہ دیا۔

دو دن تک گرد و نواح کے دیہات سے آدم خور کی کوئی خبر نہ آئی۔ تیسرے دن کی صبح میں یاترا سڑک پر نیچے کی سمت چھ میل تک یہ دیکھنے گیا کہ کیا چیتا اس طرف آیا تھا کہ نہیں۔ بارہ میل طے کر کے میں دوپہر سے ذرا پہلے بنگلے میں واپس آیا۔ اور بے وقت ناشتہ کرنے میں مصروف تھا کہ اتنے میں دو آدمی آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ گزشتہ شام موضع بھیس وارہ میں چیتے نے ایک لڑکا ہلاک کر دیا تھا۔ بھیس وارہ رودر پریاگ سے اٹھارہ میل جنوب مشرق کی طرف تھا۔

ایبٹ سن نے آدم خور کے متعلق خبریں پہنچانے کا جو نظام رائج کیا تھا وہ بڑی اچھی طرح کام کرتا رہا۔ اس نظام کے تحت آدم خور جس قسم کا کوئی شکار کرتا اس کی اطلاع پر اسی نسبت سے اطلاع دینے والے کو نقدی کی صورت میں انعام دیا جاتا۔ مثلاً بکری کے شکار کی اطلاع پر دو روپے اور کسی انسانی ہلاکت کی خبر پر بیس روپے انعام مقرر تھا۔ یہ انعام حاصل کرنے کے لئے لوگوں میں بڑا مقابلہ ہوتا۔ اور ہمیں مختصر ترین عرصے میں ہر قسم کی ہلاکت کی اطلاع مل جاتی۔

جب میں نے ان آدمیوں کے ہاتھوں میں جو لڑکے کی موت کی خبر لائے تھے دس دس روپے کا ایک ایک نوٹ تھما دیا تو ان میں سے ایک مجھے بھیس وارہ کا راستہ دکھانے کی خاطر میرے ساتھ واپس چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ دوسرے آدمی نے بتایا کہ وہ رات رودر پریاگ ہی میں گزارے گا کیونکہ وہ گزشتہ چند روز بخار میں مبتلا رہا تھا اور مزید اٹھارہ میل سفر کرنے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ جب تک میں ناشتے میں مصروف رہا وہ آدمی مجھے اپنی کہانی سناتے رہے۔ تقریباً ایک بجے کے قریب میں اپنی رائفل تھوڑے سے کارتوس اور ٹارچ لے کر چل پڑا۔ جب ہم بنگلے سے نکل کر سڑک کی دوسری سمت آئے تو میرے ساتھی نے مجھے بتایا کہ ہمارے سامنے ایک طویل مسافت

تھی اور اندھیرا چھا جانے پر ہمارے لئے سفر کرنا خطرے سے خالی نہ ہو گا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ میرے آگے آگے چل کر رفتار کا تعین کر دے۔ جہاں تک میرا بس چلے میں کھانا کھانے کے فوراً بعد چڑھائی نہیں چڑھا کرتا۔ لیکن یہاں کوئی چارہ نہ تھا۔ اور پہلے تین میل جس میں ہم کوئی چار ہزار فٹ کی بلندی طے کر گئے۔ مجھے اپنے رہنما کی رفتار کا ساتھ دینے میں بڑی مشکل پیش آ رہی تھی۔ تین میل کی مسافت کے بعد ہموار زمین کا ایک قطعہ آ گیا۔ اب میرا کھانا ہضم ہو چکا تھا۔ وہ قطعہ طے کرنے کے بعد میں اپنے ساتھی کے آگے آگے چلنے لگا اور پھر رفتار کا تعین میں نے کر لیا۔

رودر پریاگ آتے ہوئے ان دونوں آدمیوں نے راستے کے دیہات کے لوگوں کو لڑکے کی موت کے متعلق بتا دیا تھا اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ مجھے لیتا جا رہے تھے۔ لوگ اس بات کے متعلق کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ میں ان آدمیوں کے کہنے پر بھیس وارہ نہیں جاؤں گا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم جس گاؤں سے بھی گزرے اس کی ساری آبادی میری منتظر ہوتی۔ ان میں سے بعض لوگ مجھے لمبی چوڑی آشیرباویں دیتے اور بعض مجھ سے درخواست کرتے کہ جب تک میں ان کا دشمن ہلاک نہ کر لوں ان کا علاقہ چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤں۔

میرے ساتھی نے مجھے بتا رکھا تھا کہ ہم نے اٹھارہ میل طے کرنے تھے۔ جب ہم ایک پہاڑی کے بعد دوسری پہاڑی اور ایک وادی کے بعد دوسری وادی طے کر رہے تھے تو مجھے محسوس ہونے لگا کہ وہ اٹھارہ میل کی مسافت میری زندگی میں طویل اور سخت ترین سفر تھا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا کہ آخر لامتناہی پہاڑیوں کے سلسلے میں ایک پہاڑی کے اوپر میں نے غور سے کوئی چند سو گز دور چند آدمی کھڑے دیکھے۔ ہمیں دیکھتے ہی ان میں سے بعض آدمی پہاڑی کی دوسری سمت نظروں سے اوجھل ہو گئے اور باقی ہمیں ملنے کی غرض سے آگے بڑھے۔ ان میں بھینس وارہ کا نمبردار تھا۔ مجھے تپاک سے ملنے کے بعد اس نے خوشخبری سنائی کہ اس کا گاؤں سامنے والی پہاڑی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی دوسری جانب تھا اور اس نے اپنے لڑکے کو میرے لئے چائے لانے کے لئے بھیج دیا تھا۔

14- اپریل 1926ء ایک ایسی تاریخ ہے جو گھڑوال کے لوگوں کو عرصہ دراز تک یاد رہے گی۔ یہ وہ دن ہے جب رودر پریاگ کے آدم خور چیتے نے اپنا آخری انسانی شکار کیا تھا۔ اس دن کی شام کو ایک بیوہ اور اس کے دو بچے جن میں سے ایک نو سال کی لڑکی اور ایک بارہ سال کا لڑکا تھا' ہمسائے کے ایک آٹھ سالہ لڑکے کے ہمراہ موضع بھینس وارہ سے تھوڑی دور ایک چشمے سے پانی لینے کے لئے گئے۔

اس بیوہ عورت کا مکان ایک ایسے احاطے کے وسط میں تھا جہاں مکانوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ یہ مکان دو منزلہ تھے۔ مکانوں کی نچلی منزلوں میں لوگوں نے گندم اور ایندھن وغیرہ ڈال رکھا تھا اور اوپر کی منزلوں کو رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہ مکان ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے اور ان کے سامنے کوئی چار فٹ چوڑا ایک برآمدہ تھا۔ اس برآمدے میں کئی زینے تھے۔ یہ زینہ دو گھر استعمال کرتے تھے۔ ان مکانوں کے سامنے کوئی ساٹھ فٹ چوڑا اور تین سو فٹ لمبا ایک صحن تھا جس کے گردا گرد ایک چھوٹی سی دیوار تھی۔ جب بیوہ' اس کے بچے اور ہمسائے کا لڑکا چشمہ سے پانی لے کر واپس آ رہے تھے تو ہمسائے کا لڑکا سب سے آگے تھا۔ جب وہ اپنے مکان کے زینے کے پاس پہنچے اور ہمسائے کا لڑکا سیڑھیاں چڑھنے لگا تو اس نے زینے کے ساتھ نچلے کمرے میں کوئی جانور بیٹھا ہوا دیکھا۔ لڑکے نے اسے اندھیرے میں کتا خیال کیا اور اپنے ساتھیوں سے اس کا ذکر نہ کیا۔ لڑکے کے پیچھے لڑکی تھی' اس کے بعد بیوہ عورت اور سب سے آخر میں اس کا لڑکا تھا۔ ابھی عورت نے نصف زینہ طے کیا تھا کہ ماں کو اپنے بیٹے کے سر پر سے پانی سے بھری ہوئی پیتل کی گاگر گرنے کی آواز آئی۔ لڑکے کو اس کی لاپرواہی پر کوستے ہوئے ماں برآمدے تک گئی اور وہاں اپنی گاگر رکھ کر یہ دیکھنے کی خاطر مڑی کہ کہیں اس کے بیٹے کو چوٹ نہ آئی ہو۔ سب سے آخری سیڑھی پر

اسے گاگر اوندھی پڑی دکھائی دی۔ اس نے گاگر اٹھائی اور پھر اپنے لڑکے کو ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ لڑکا نظر نہ آنے پر اس نے سوچا کہ ڈر کے مارے بھاگ گیا ہو گا لہٰذا وہ اسے آوازیں دینے لگی۔

ہمسایوں نے بھی گاگر کے گرنے کی آواز سنی تھی۔ جب انہوں نے ماں کی آوازیں سنیں تو وہ یہ دریافت کرنے کی خاطر اپنے اپنے دروازوں میں آ گئے کہ معاملہ کیا تھا۔ ماں اور لوگوں کا خیال تھا کہ لڑکا کسی نچلے کمرے میں چھپا ہو گا۔ چونکہ اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور ویسے بھی ان کمروں میں دن کے وقت بھی عموماً اندھیرا ہی رہتا تھا۔ لہٰذا ایک آدمی نے لالٹین روشن کی اور بیوہ کے پاس آیا۔ زینے کے قریب آتے ہی پتھر کی جس سیڑھی پر عورت کھڑی تھی اسے وہاں خون کے چند قطرے دکھائی دیئے۔ آدمی کی خوفناک آواز پر دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے زینوں سے اتر کر صحن میں جمع ہو گئے۔ ان میں ایک معمر شخص بھی تھا جو اپنے مالک کے ہمراہ جنگل میں شکار کھیلتا رہا تھا۔ اس نے لالٹین پکڑی اور خون کی لکیر کا تعاقب کرتے ہوئے صحن کی پشتہ قد دیوار تک چلا گیا۔ دیوار کے عقب میں آٹھ فٹ نیچے اروی کا ایک کھیت تھا۔ وہاں ہموار زمین پر چیتے کے پنجوں کے نشان موجود تھے۔ اس وقت تک کسی کو یہ شک نہ گزرا تھا کہ آدم خور لڑکے کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے آدم خور کے متعلق باتیں سن رکھی تھیں مگر وہ اس گاؤں میں کبھی نہ آیا تھا اور اس سے دس میل دور رہا تھا۔ صورت حال کا اندازہ ہوتے ہی عورت نے آہ و زاری شروع کر دی۔ لوگ اپنے گھروں کی سمت بھاگے اور ڈھول اور بندوقیں لے کر باہر نکل آئے (اس گاؤں میں تین بندوقیں تھیں) ساری رات ڈھول بجتے اور بندوقوں کے فائر ہوتے رہے۔ دن کے وقت لڑکے کی لاش مل گئی۔ دو آدمی مجھے اطلاع دینے کی خاطر رودر پریاگ کی سمت بھاگے۔

جب میں نمبردار کے ہمراہ گاؤں آیا تو مجھے بیوہ کے بین سنائی دیئے۔ مجھے دیکھتے ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ میری سمت بڑھی اور کل شام کا واقعہ مجھے اپنے انداز میں سنانے لگی۔ کہانی کے آخر پر وہ گاؤں کے لوگوں کو کوسنے لگی کہ انہوں نے اس کا بیٹا بچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کا خیال غلط تھا اور لڑکا تو اس وقت ہلاک ہو چکا تھا جب اس کی گردن چیتے کے لمبے اور تیز دانتوں کی زد میں آئی تھی یعنی صحن میں سے نکلنے سے پہلے ہی اور اگر اس وقت وہاں آدمی موجود بھی ہوتے تو اس کی زندگی نہ بچا سکتے تھے۔

صحن میں کھڑا جب میں چائے پی رہا تھا تو یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی تھی کہ آخر صحن میں کچھ آدمی تو موجود ہوں گے' اور چیتا ان سے نظر بچا کر کس طرح صحن میں داخل ہو کر کمرے کے اندر چھپ گیا۔ یہ بھی اچنبھے کی بات تھی کہ گاؤں کے کتوں نے بھی اسے نہ دیکھا تھا۔

میں صحن کی آٹھ فٹ اونچی دیوار پھلانگ کر اروی کے کھیت میں گیا اور چیتے کے پنجوں کے نشانوں پر چلنے لگا۔ کھیت کے آخر پر ایک اور دیوار تھی جو تقریباً بارہ فٹ اونچی تھی۔ دیوار سے دور ایک کھیت تھا۔ دوسرے کھیت کے آخری کنارے پر گلاب کی ایک گھنی جھاڑی تھی۔ وہ جھاڑی کوئی چار فٹ بلند ہو گی۔ یہاں چیتے نے لڑکے کی گردن چھوڑ دی۔ جھاڑی میں سے گزرنے کی جگہ نہ پا کر چیتے نے لڑکے کو اس کی پشت سے پکڑا اور اس کے ہمراہ جھاڑی کو پھلانگ گیا۔ جھاڑی سے دور پھر ایک دس فٹ بلند دیوار تھی اس تیسری دیوار کے نیچے مویشیوں کا ایک راستہ تھا۔ اس راستے پر چیتا ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ گاؤں میں شور بپا ہو گیا۔ چیتا لڑکے کو اسی راستے پر چھوڑ کر پہاڑیوں کی سمت چلا گیا اور ساری رات ڈھولوں اور بندوقوں کی آوازوں نے اسے اپنے شکار کے قریب نہ آنے دیا۔

حسب معمول مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا کہ لڑکے کی لاش کو اس جگہ لے جاتا جہاں چیتا اسے چھوڑ گیا تھا۔ اور اس کے قریب چھپ کر چیتے کا انتظار کرتا۔ لیکن

یہاں مجھے دو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جگہ میرے بیٹھنے کے لئے کوئی مناسب جگہ نہ تھی اور میں خود کو خطرے میں ڈال کر زمین پر بیٹھنا نہ چاہتا تھا۔

سب سے قریبی درخت ناریل کا ایک ٹنڈ منڈ درخت تھا جو وہاں سے تین سو گز دور تھا۔ لہٰذا اس پر بیٹھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ میں غروب آفتاب کے قریب گاؤں پہنچا تھا۔ چائے پینے' دکھیا ماں کی داستان سننے اور چیتے کے پنجوں کے نشانات کا تعاقب کرنے میں شام ہو گئی اور مجھے اپنی حفاظت کے لئے مچان وغیرہ تیار کرنے کا وقت نہ مل سکا۔ اگر میں زمین پر بیٹھنا چاہتا تو کسی جگہ بھی بیٹھ سکتا تھا۔ مجھے یہ علم نہ تھا کہ چیتا کس سمت سے آئے گا اور پھر اگر وہ آ جاتا تو مجھ پر حملہ کر دیتا تو اس نے مجھے اپنی حفاظت کا ایک ہتھیار یعنی رائفل بھی استعمال کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔

گرد و نواح کا معائنہ کرنے کے بعد جب میں واپس صحن میں آیا تو میں نے نمبردار سے لوہے کا ایک مضبوط کیل' ایک ہتھوڑا اور کسی کتے کی زنجیر طلب کی۔ جب یہ چیزیں آ گئیں تو میں نے صحن کے وسط میں ایک زینے کے قریب کیل گاڑ کر زنجیر کا ایک سرا اس کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر نمبردار اور دوسرے آدمیوں کی مدد سے میں لڑکے کی لاش وہاں لایا اور لوہے کی زنجیر کے دوسرے سرے سے اسے باندھ دیا۔

وہ پراسرار طاقت جو زندگی کا چکر گردش میں رکھتی ہے اور جسے لوگ تقدیر کہتے ہیں اسے سمجھنا بڑا مشکل ہے۔ اس تقدیر نے گزشتہ چند دنوں میں آدم خور کے ہاتھوں کئی لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا اور اب ایک ایسے دھان پان لڑکے کا سلسلہ حیات منقطع کر دیا تھا جسے اس کی بیوہ ماں نے بڑے نازوں سے پالا تھا۔ لہٰذا اگر دکھیا ماں اپنے بیٹوں کے درمیان بار بار یہ الفاظ دہرا رہی تھی تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔ "پرمیشور! میرے بچے سے کیا پاپ ہوا تھا۔ اسے تو سب لوگ پیار کرتے تھے۔ اتنی چھوٹی عمر میں تو نے اسے کس جرم کی سزا میں دنیا سے اٹھا لیا۔"

لڑکے کی لاش زنجیر سے باندھنے سے پہلے میں نے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ اس کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماں اور بہن کو قدرے فاصلے پر کسی دوسرے مکان میں لے جائیں۔ جب میری تیاری مکمل ہو گئی تو میں نے چشمے سے ہاتھ منہ دھویا اور پھر لوگوں کو خشک گھاس کا ایک گٹھا لانے کے لئے کہا۔ گھاس کا وہ گٹھا میں نے برآمدے میں اس مکان کے سامنے بچھا دیا جسے تھوڑی دیر پہلے لڑکے کی ماں اور بہن نے خالی کیا تھا۔

اب اندھیرا چھا چکا تھا۔ آدمیوں کو ان کے گھروں میں جانے اور انہیں رات بھر حتی الامکان خاموش رہنے کی تاکید کر کے میں برآمدے میں آیا اور کچھ گھاس اپنے نیچے بچھا کر اور کچھ اپنے سامنے رکھ کر نیم دراز ہو گیا۔ لڑکے کی لاش نیچے صحن میں مجھے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

گزشتہ شب کے سارے شور و غوغا کے باوجود میرا خیال تھا کہ چیتا واپس آئے گا اور جب اسے اپنا شکار اس جگہ دکھائی نہ دیا جہاں وہ اسے چھوڑ گیا تھا تو وہ دوسرا شکار حاصل کرنے کی خاطر گاؤں آئے گا۔ بھینس وارہ میں اس نے آسانی سے اپنا پہلا شکار حاصل کر لیا تھا۔ اس بات نے آئندہ اس کی ہمت افزائی کرنی تھی۔ لہٰذا میں بلند ارادے لئے چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

آسمان پر شام ہی سے گہرے بادل جمع ہونے لگے تھے۔ آٹھ بجے کے قریب جب سارا گاؤں غم زدہ ماں کی آہ و زاری کے سوا' خاموشی میں ملفوف تھا تو دور بجلی چمکنے لگی اور اس کے ساتھ ہی بادلوں کے دھاڑنے کی آواز ابھری۔ طوفان باد و باراں آ رہا تھا۔ یہ طوفان ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ برق مسلسل طور پر اس تیزی سے چمک رہی تھی کہ اگر صحن میں کوئی چوہا بھی آ جاتا تو میں اسے بہ آسانی دیکھ بلکہ شکار کر سکتا تھا۔ آخر بارش تھم گئی لیکن مطلع ابر آلود ہی رہا۔ چند فٹ سے آگے کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ چیتا طوفان سے چھپ کر جہاں کہیں بھی بیٹھا تھا اب اس جگہ سے اس کے نکلنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے گاؤں کتنی دیر تک پہنچنا تھا' اس بات کا انحصار اس فاصلے پر تھا جو اس کی جائے پناہ اور گاؤں کے درمیان تھا۔

اب عورت کے بین تھم گئے تھے۔ اور ساری دنیا میں کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ یہ میری امید کے مطابق تھا کیونکہ اب مجھے چیتے کے آنے کی اطلاع میرے کانوں نے دینی تھی اور کانوں کی مدد کے لئے میں نے لاش کو باندھنے کے لئے کتے کی زنجیر استعمال کی تھی۔

میرے نیچے اور سامنے کی گھاس بڑی خشک تھی۔ جب میں نے اپنے کان کثیف اندھیرے لگائے ہوئے تھے تو اچانک مجھے اپنے پاؤں کے قریب کوئی چیز چوری چھپے رینگتی ہی محسوسی ہوئی۔ میں نے نیکر پہن رکھی تھی اور گھٹنوں سے نیچے میری ٹانگیں ننگی تھیں۔ دوسرے لمحے مجھے اپنی ایک ننگی ٹانگ کے ساتھ کسی جانور کے بال چھوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ فقط آدم خور ہو سکتا تھا۔ جو بڑی احتیاط سے رینگ رہا تھا اور اگلے لمحے میری گردن میں اپنے مہلک دانت گاڑنے کی فکر میں تھا۔ میں بجلی جیسی پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور رائفل کا گھوڑا دبانے ہی والا تھا کہ ایک چھوٹا سا جانور اچھل کر میری گود میں آ بیٹھا۔ وہ بلی کا بچہ تھا جو بارش سے بھیگا ہوا تھا اور خود پر ہر گھر کا دروازہ بند پا کر حرارت اور حفاظت کے لئے میرے پاس آیا تھا۔

بلی کا بچہ ابھی میرے کوٹ میں بیٹھ کر گرم ہوا ہی تھا اور اس نے مجھے جو دہشت دی تھی ابھی میں اس کے اثرات دور کرنے نہ پایا تھا کہ ویران کھیتوں سے دور مجھے ایک مدھم سرسراہٹ سنائی دی۔ جو بتدریج بلند ہوتی گئی اور پھر ایک ایسی خوفناک لڑائی میں تبدیل ہو گئی جس سے میرے کان اس وقت تک ناآشنا تھے۔ ظاہر ہے کہ آدم خور اس جگہ آیا تھا جہاں وہ گزشتہ شب اپنا شکار چھوڑ گیا تھا اور جب وہ اسے تلاش کرنے میں مصروف تھا تو ایک دوسرا چیتا جو اس علاقے کو اپنی شکار گاہ تصور کرتا ہو گا۔ اتفاقیہ طور پر اس طرف آ نکلا تھا اور اپنے علاقے میں کسی دوسرے کی مداخلت دیکھ کر اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ جس قسم کی لڑائی میں سن رہا تھا اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کیونکہ شیر اور چیتے عموماً اپنے اپنے علاقے میں رہتے ہیں اور اگر اتفاق سے ان کا سامنا ہو جائے تو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی قوت کا اندازہ کر لیتے ہیں اور کمزور خود بخود پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

اگرچہ آدم خور بوڑھا تھا مگر وہ بڑا طاقتور چیتا تھا۔ جس پانچ سو مربع میل میں وہ سرگرم عمل تھا وہاں کوئی دوسرا چیتا اس کے مقابلے کی جرات نہ کرتا تھا۔ لیکن بھینس وارہ میں وہ ایک اجنبی تھا اور بے جا مداخلت کا قصور وار۔ مصیبت اس نے خود مول لی تھی اس سے نکلنے کے لئے اسے اپنے جان کی بازی لگانی پڑی۔

اب میرے لئے آدم خور پر گولی چلانے کا موقع نہ رہا تھا۔ اگر وہ اپنے حملہ آور کو شکست دینے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو اس کے زخموں نے اسے چند روز تک کسی قسم کا شکار نہ کرنے دینا تھا۔ یہ بھی امکان تھا کہ اس جنگ میں وہ خود ہلاک ہو جاتا اور اس طرح اس کی انسانی تباہ کاریاں غیر متوقع طور پر ختم ہو جاتیں۔ وہ تباہ کاریاں جنہیں آٹھ برس تک گھڑوال کے باشندوں اور حکومت کی جدوجہد ختم نہ کر سکی تھی۔

لڑائی کا پہلا راؤنڈ پانچ منٹ تک بڑے وحشیانہ انداز میں جاری رہا اور غیر فیصلہ کن ثابت ہوا کیونکہ اس کے اختتام پر بھی مجھے دونوں درندوں کی غراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ دس یا پندرہ منٹ کے بعد لڑائی پھر جاری ہو گئی مگر لڑائی کی پہلی جگہ سے تقریباً دو تین سو گز دور' ظاہر تھا کہ مقامی چیتے کا پلہ بھاری تھا اور وہ اپنے علاقے میں مداخلت کرنے والے کو پسپا ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔ تیسرا راؤنڈ پہلے دو راؤنڈوں سے مختصر تھا مگر یہ بھی پہلے جیسے جوش و خروش سے لڑا گیا۔ پھر خاموشی کے ایک ایک طویل وقفے کے بعد جب آخری راؤنڈ لڑا گیا تو وہ پہاڑی کے شانے پر منعقد ہوا تھا جہاں سے چند منٹ بعد چیتوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔

ابھی رات کے چھ گھنٹے باقی تھے میرا بھینس وارہ آنے کا مقصد فوت ہو چکا تھا۔ میری یہ امید بھی عارضی ثابت ہوئی کہ چیتوں کی جنگ فیصلہ کن ثابت ہو گی اور ان میں سے ایک موت کی نیند سو جائے گا۔ اب دونوں چیتے بھاگتے ہوئے لڑ رہے تھے۔

اگرچہ اس لڑائی میں آدم خور نے زخمی ہونا تھا مگر میرا خیال تھا کہ ان زخموں نے انسانی شکار حاصل کرنے کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرنی تھی۔

بلی کا بچہ ساری رات میرے پہلو میں آرام سے سویا رہا۔ جب صبح کی پہلی کرن نے مشرق سے جھانکا تو میں برآمدے سے اتر کر صحن میں گیا اور دوسرے لوگوں کی مدد سے لڑکے کی لاش اٹھا کر پھر اسی شیڈ میں لے گیا جہاں سے اسے شام کے وقت لایا گیا تھا۔ جب میں نے نمبردار کے دروازے پر دستک دی تو وہ ابھی سویا ہوا تھا۔ اس کی چائے کی دعوت کو معذرت کے ساتھ قبول نہ کرتے ہوئے اور اسے یہ یقین دلائے ہوئے کہ آدم خور دوبارہ ان کے گاؤں میں نہ آئے گا۔ میں رودر پریاگ کی طویل مسافت پر روانہ ہو پڑا۔

ہم لوگ اپنی جدوجہد میں خواہ کتنی دفعہ ناکام کیوں نہ ہوں لیکن مایوسی کبھی ہمارے دل میں جگہ نہیں پاتی۔ اس کے برعکس ایسی ناکامیاں ہماری تگ و دو کے لئے مہمیز ثابت ہوتی ہیں۔ کئی ماہ سے اکثر میں یہ امید لے کر بنگلے سے روانہ ہوتا کہ اس دفعہ تو مجھے ضرور کامیابی حاصل ہو گی لیکن ہر دفعہ مجھے مایوسی کے عالم میں واپس آنا پڑتا۔ اگر میری ناکامیوں کا تعلق دوسرے لوگوں کی جانوں سے تھا تو میں اپنی ناکامیوں کا ذمہ دار بدقسمتی کے سوا کسی اور کو نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ اور اس کے بڑھتے ہوئے اثرات مجھے غمگین کرنے کے علاوہ یہ سوچنے پر مجبور کر رہے تھے کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا تھا میں اسے پورا کرنے کا اہل نہ تھا۔ یہ بدقسمتی ہی تھی کہ گاؤں میں لوگوں کا شور سن کر چیتے نے اپنا شکار ایک ایسی جگہ گرا دیا جہاں کوئی رخصت نہ تھا اور یہ بھی بدقسمتی ہی تھی کہ اس علاقے کا مقامی چیتا جس کا علاقہ تیس مربع میل پر مشتمل تھا' اتفاق سے وہاں آ گیا تھا جہاں آدم خور اپنا انسانی شکار تلاش کرنے میں مصروف تھا اور گاؤں کا رخ کرنے والا تھا۔ جہاں میں اس کا منتظر تھا۔

گزشتہ دن اٹھارہ میل میرے لئے ایک طویل مسافت تھے۔ مگر آج وہ مجھے کل کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نسبت زیادہ طویل محسوس ہو رہے تھے۔ راستے میں ہر گاؤں میں لوگ بڑی بے صبری سے میرے منتظر دکھائی دیتے تھے۔ اگرچہ ان کے لئے میرے پاس بری خبر کے سوا کچھ نہ تھا مگر وہ اپنی مایوسی کا اظہار نہ کرتے۔ انہیں اپنے فلسفے پر بے پناہ اعتماد ہے۔ یہ اعتماد جو پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا دیتا ہے اور مغموم جذبات پر تسکین کا پھاہا رکھتا ہے۔ یعنی یہ اعتماد کہ کوئی انسان یا جانور اپنی مقررہ موت سے پہلے نہیں مر سکتا۔ اور یہ کہ آدم خور کی موت کا وقت ابھی نہ آیا تھا۔ اس اعتماد اور منطق پر نہ تو کوئی کسی قسم کی بحث کی ضرورت ہے اور نہ ہی یہ وضاحت طلب ہے۔

شرمندگی اور اداسی کے جذبات صبح سے میرے دل و دماغ پر بری طرح محیط تھے۔ انہیں جذبات کے درمیان میں سفر کے آخری گاؤں پہنچا جہاں مجھے گرما گرم چائے کی پیالی پیش کی گئی۔ اس چائے نے میرے اداس خیالات پر خوش گوار اثر کیا۔ اور جب آخری چار میل طے کرنے کے لئے میں اس گاؤں سے روانہ ہوا تو تھوڑی دور چلنے پر مجھے پتا چلا کہ میں تو آدم خور کے پنجوں کے نشانوں پر چل رہا تھا۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ انسان کی ذہنی حالت اس کی قوت مشاہدہ کو کس طرح کند یا تیز کر دیتی ہے۔ ممکن تھا کہ آدم خور کئی میل پیچھے سے اسی راستے پر چل رہا ہو مگر غمگین خیالات نے اس کے پنجوں کے نشانات میری آنکھوں سے اوجھل رکھے تھے مگر اب دیہاتیوں سے بات چیت کرنے اور چائے کی ایک پیالی پینے سے میرے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا تھا اور میں نے صبح سے اب پہلی دفعہ اس کے پنجوں کے نشان دیکھے تھے۔ وہاں راستہ سرخ مٹی پر سے گزرتا تھا جسے رات کی بارش نے ہموار کر دیا تھا۔ پنجوں کے نشانوں سے پتا چلتا تھا کہ آدم خور وہاں سے اپنی عام رفتار سے گزرا تھا۔ لیکن نصف میل آگے اس نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی اور یہ رفتار اس نے گلاب رائے کے قریب ندی تک قائم رکھی تھی۔ ندی سے آگے گزر کر چیتا جنگل میں روپوش ہو گیا تھا۔

جب کوئی چیتا یا شیر اپنی عام رفتار سے چل رہا ہو تو فقط اس کی پچھلی ٹانگوں کے

نشان زمین پر بنتے ہیں۔ لیکن جب کسی وجہ کی بنا پر اسے اپنی رفتار تیز کرنی پڑے تو اس کی پچھلی ٹانگیں اس کی اگلی ٹانگوں سے آگے پڑنے لگتی ہیں اور اس کے چاروں پنجوں کے نشان دکھائی دینے لگتے ہیں۔ پچھلی اور اگلی ٹانگوں کے درمیانی فاصلے سے اس کی رفتار کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ صورت میں دن کی آمد کے خدشے نے آدم خور کو اپنی رفتار تیز کرنے پر مجبور کر دیا ہو گا۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ اس چیتے سے حتی الامکان دور ہونا چاہتا ہو جس نے اسے کسی دوسرے کے علاقے میں مداخلت بے جا کرنے کا مزہ چکھایا تھا۔ یہ مزہ کس قدر تلخ تھا' اس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔

○

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اندھیرے میں ایک فائر

ہندوستان میں کھانا کھانے کے اوقات کا انحصار موسموں کے تغیر و تبدل اور انفرادی مزاج پر ہوتا ہے۔ لیکن تین بڑے کھانوں کے لئے عموماً یہ اوقات ہیں۔ ناشتہ صبح آٹھ سے نو بجے تک' دوپہر کا کھانا۔ ایک سے دو بجے تک اور شام کا کھانا' آٹھ سے نو بجے کے درمیان۔ رودر پریاگ میں قیام کے دوران میرے کھانے کے اوقات بے حد غلط ہو گئے تھے اور مجھ سے اس اصول کی سراسر خلاف ورزی ہو رہی تھی کہ انسان کی صحت کا دار و مدار غذا کی باقاعدگی پر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس میری بے قاعدہ اور غیر روایتی غذا میری زندگی کا سلسلہ برقرار رکھنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ صبح آٹھ بجے تھوڑا سا شوربہ پی لینا یا رات کے نو بجے سونے سے پیشتر کوئی ہلکی پھلکی چیز کھا لینا اور اس کے علاوہ دن میں ایک دفعہ کھانا تناول کرنا یا اس سے بھی محروم رہنا' ایسی بے قاعدگیوں نے اس کے علاوہ میری صحت پر کوئی اور برا اثر نہ کیا تھا کہ میری ہڈیوں سے چند پونڈ گوشت کم ہو گیا تھا۔

گزشتہ دن بے وقت ناشتے کے سوا میں نے اب تک کچھ نہ کھایا تھا۔ بھینس وارہ سے واپسی پر پیٹ بھر کر کھانا کھانے' ایک گھنٹہ آرام اور غسل کرنے کے بعد میں گلاب رائے کی طرف چل دیا تاکہ گلاب رائے کے آشرم کے پنڈت کو اس کے علاقے میں آدم خور کی موجودگی سے مطلع کر دوں۔

رودر پریاگ میں اپنی پہلی آمد کے موقع پر میں نے اس پنڈت سے دوستی استوار کی تھی اور اس سے باتیں کئے بغیر کبھی اس کے مکان کے قریب سے نہ گزرا تھا۔ وہ مجھے آدم خور اور یاتریوں کے متعلق بڑے دلچسپ واقعات سنایا کرتا تھا اس کے علاوہ وہ

دوسرا شخص تھا جو آدم خور کے منہ میں آ کر اس کا لقمہ بننے سے بچ گیا تھا۔ پہلی وہ عورت تھی جس کی ٹانگ چیتا لے گیا تھا۔

اس کا سنایا ہوا ایک واقعہ ایک ایسی عورت کے متعلق تھا جو آشرم سے چند میل نیچے ایک گاؤں میں رہتی تھی اور جس سے پنڈت بخوبی آشنا تھا۔ ایک دن رودر پریاگ بازار سے واپسی پر وہ عورت شام کے قریب گلاب رائے پہنچی اور اس ڈر کے تحت کہ اب وہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے اپنے گھر نہ پہنچ سکے گی' اس نے پنڈت سے اس کے آشرم میں رات بسر کرنے کے لئے جگہ طلب کی۔ پنڈت نے اسے جگہ دے دی مگر اسے ہدایت کی کہ وہ سٹور روم کے دروازے کے سامنے سوئے۔ اس سٹور روم میں پنڈت آشرم ہی رات گزارنے والے یاتریوں کا سامان رکھا کرتا تھا۔ پنڈت کا خیال تھا کہ دروازے کے قریب سونے سے عورت ایک طرف سے تو سٹور روم کی حفاظت میں رہے گی اور اس کی دوسری سمت وہ پچاس یاتری ہوں گے جو اس رات آشرم میں ٹھہرے تھے۔ یعنی عورت دونوں سمت سے آدم خور کے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔

آشرم کی چھت اور دیوار گھاس پھونس اور بانسوں سے بنی ہوئی تھیں اور اس کا کھلا منہ سڑک کے نزدیک تھا۔ اس رات کے کسی پہر اچانک ایک یاتری عورت چیخ مار کر اٹھ بیٹھی اور چلانے لگی کہ اسے کسی بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا لیکن دیا سلائی کی مدد سے جب اس عورت کا پاؤں دیکھا گیا تو اس پر ایک جگہ خراش دکھائی دی جس میں سے خون بہہ رہا تھا۔ دوسرے یاتری اس عورت کو کوسنے لگے اور یہ کہہ کر وہ دوبارہ سو گئے کہ کہیں بچھو کے کاٹنے سے خون بھی نکلتا ہے۔ اور یہ کہ وہ یونہی بات کا بتنگڑ بنا رہی تھی۔

صبح کے وقت جب پنڈت آم کے درخت سے اوپر پہاڑی پر واقع اپنے مکان سے آشرم کی سمت آ رہا تھا تو اسے آشرم کے سامنے سڑک کے کنارے ساڑھی میں ملبوس ایک پہاڑی عورت کی لاش دکھائی دی۔ اس کی ساڑھی پر خون کے دھبے پڑے تھے۔ پنڈت نے اپنے خیال کے مطابق اس عورت کو آشرم میں محفوظ جگہ دی تھی۔ لیکن

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چیتا آشرم میں داخل ہوا اور پچاس سوئے ہوئے یاتریوں کے اوپر سے نہایت احتیاط سے گزر کر عورت کو ہلاک کر دیا۔ جب وہ عورت کو اٹھا کر باہر جا رہا تھا تو اتفاق سے اس کا ایک ناخن سوئی ہوئی عورت کو لگ گیا۔ اس سوال کے جواب میں کہ آخر چیتے نے دوسرے پچاس یاتریوں کو چھوڑ کر اس ایک عورت کو اپنا شکار کیوں بنایا۔ پنڈت نے مجھے بتایا کہ سارے آشرم میں وہی ایک عورت تھی جس نے رنگین ساڑھی پہن رکھی تھی۔ یہ جواب میرے نزدیک معتبر حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن اس سلسلے میں میرا یہ جواب ہے کہ سارے آشرم میں وہی ایک پہاڑی عورت تھی جس کے جسم کی خوشبو سے دوسرے پہاڑی باشندوں کے جسموں کی خوشبو کی مانند' چیتا بخوبی واقف تھا۔ وہ اس تک پہنچ گیا اور اسے تلاش کر کے اپنے ہمراہ باہر لے آیا۔

اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ خود پنڈت کا آدم خور سے سامنا ہو گیا۔ صحیح تاریخ مجھے معلوم نہیں اگر کوئی اسے جاننے کا خواہش مند ہے تو رودر پریاگ کے "کملی کمبلی ہسپتال" سے دریافت کی جا سکتی ہے۔ کہانی کا مقصد پورا کرنے کے لئے یہ کہنا کافی ہو گا کہ یہ واقعہ 1921ء کے موسم گرما میں وقوع پذیر ہوا۔ یعنی پنڈت سے میری پہلی ملاقات سے چار برس پہلے۔ موسم گرما کی ایک شام کو مدراس کے دس یاتری دن کے سفر سے تھکے ہارے گلاب رائے کے آشرم میں پہنچے اور انہوں نے وہاں رات بسر کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کے ڈر کے پیش نظر کہ اگر گلاب رائے میں کوئی اور آدمی ہلاک ہو گیا تو اس کا آشرم بدنام ہو جائے گا' اس نے یاتریوں سے کہا کہ وہ دو میل مزید سفر کر کے رودر پریاگ پہنچ جائیں جہاں انہیں رات گزارنے کے لئے محفوظ رہائش مل جائے گی۔ جب اسے پتا چلا کہ تھکاوٹ سے چور یاتریوں پر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہو گا تو وہ انہیں اپنے مکان میں جگہ دینے پر رضامند ہو گیا۔ اس کا مکان آم کے درخت سے پچاس گز اوپر تھا۔ آم کا درخت جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

پنڈت کا مکان بھی بھینس وارہ کے مکانوں کی ساخت سے ملتا جلتا تھا۔ یعنی مکان کا نچلا کمرہ ایندھن اور غلہ وغیرہ جمع کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور بالائی کمرہ رہائش

کے لئے تھا۔ نچلے کمرے کے قریب سے پتھروں کا ایک زینہ اوپر جاتا تھا۔ زینے کے آخر پر ایک چھوٹا سا برآمدہ تھا اور برآمدے میں بالائی کمرے کا دروازہ تھا۔

شام کے کھانے سے فارغ ہو کر پنڈت اور اس کے بن بلائے مہمان کمرے میں داخل ہو گئے اور اسے اندر سے مقفل کر لیا۔ کمرے میں کوئی روشن دان نہ تھا جس کے سبب وہاں بڑا حبس تھا۔ دم گھٹنے کے ڈر سے' رات کے کسی وقت پنڈت دروازہ کھول کر برآمدے میں آ گیا اور برآمدے کی چھت کو سہارا دینے والے ایک ستون سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے تازہ ہوا اندر لے جانے کی خاطر منہ کھولا ہی تھا کہ اس کی گردن جیسے کسی شکنجے میں آ گئی۔ اس نے جلدی سے ستون کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور اپنے پاؤں اپنے حملہ آور کے جسم کے ساتھ بڑی مضبوطی سے جماتے ہوئے اسے پوری طاقت سے پیچھے کی سمت دھکیل کر اپنی گردن اس کے دانتوں سے آزاد کرا لی۔ چیتا زینے پر سے لڑھک کر نیچے آ گرا۔ پنڈت نیم بیہوشی کے عالم میں برآمدے کے فرش پر گرنے والا تھا کہ اس نے برآمدے کی چھوٹی سی دیوار میں نصب لوہے کی سلاخ کا سہارا لے لیا۔ پنڈت نے ابھی سہارا لیا ہی تھا کہ چیتا برق رفتاری سے اوپر آیا اور اس نے اپنا ایک پنجہ اس کے بائیں بازو میں گاڑ دیا اور اسے زینے کے نیچے کھینچنے لگا پنڈت نے لوہے کی سلاخ پر اپنے دائیں ہاتھ کی گرفت زیادہ مضبوط کر لی۔ ایک دفعہ چیتے نے جو زور لگایا تو اس کے پنجے کے تیز ناخن پنڈت کے سارے بائیں بازو کو ہاتھ کی ہتھیلی تک چیر گئے اور بازو چیتے کی گرفت سے چھوٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ چیتا دوسری بار پنڈت پر حملہ کرتا' یاتری پنڈت کی گردن کے سوراخوں سے نکلنے والی خوفناک آوازیں سن کر باہر آئے اور اسے گھسیٹ کر کمرے میں لے گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ باقی ساری رات پنڈت سانس لینے کے لئے تڑپتا رہا۔ اس کی گردن سے خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ اس سارے عرصے میں چیتا دروازہ توڑنے کی کوشش کرتا رہا اور غراتا رہا' اور ادھر یاتری دہشت سے چیخیں مارتے رہے۔

صبح ہونے پر یاتریوں نے بیہوش پنڈت کو اٹھایا اور اسے رودر پریاگ میں کالا کملی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہسپتال لے آئے جہاں تین ماہ تک ایک نلکی سے اس کے پیٹ میں خوراک پہنچائی جاتی رہی۔ کوئی چھ ماہ بعد وہ واپس گلاب رائے آیا۔ اس کی صحت خراب اور اس کے بال سفید ہو چکے تھے۔ پانچ برس بعد جب اس کی گردن اور بائیں بازو کی تصویریں اتاری گئیں تو ان میں زخموں کے داغ غیر واضح دھبوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ حالانکہ خود پنڈت کو دیکھنے سے وہ صاف نمایاں نظر آتے تھے۔

مجھ سے گفتگو کرتے وقت پنڈت چیتے کو ہمیشہ بد روح کہا کرتا تھا۔ پہلے دن اپنا واقعہ سنانے کے بعد جب اس نے مجھ سے پوچھا کہ میرے پاس اس بات کا کیا ثبوت تھا کہ بد روحیں مادی روپ نہیں دھار سکتیں' تو اسے خوش کرنے کی خاطر میں بھی آدم خور کو بد روح کہنے لگا۔

اس شام گلاب رائے آنے پر میں نے پنڈت کو بھینس وارہ جانے کی رو داد سنائی اور اسے تنبیہہ کی کہ وہ اپنی حفاظت اور اپنے آشرم میں ٹھہرنے والے یاتریوں کے تحفظ کے سلسلے میں زیادہ چوکنا ہو جائے کیونکہ بد روح اس کے علاقے میں پہنچ چکی تھی۔

وہ رات اور اس سے اگلی تین راتیں میں سڑک کے قریب گھاس کے ایک گٹھے پر بیٹھا آدم خور کا انتظار کرتا رہا۔ چوتھے دن ایبٹ سن پوری سے واپس آ گئے۔

ایبٹ سن ہمیشہ میرے اندر ایک تازہ روح بھر دیا کرتے تھے۔ مقامی باشندوں کی طرح ان کا بھی یہی یقین تھا کہ اب تک چیتے کے ہلاک ہونے کا الزام کسی پر نہ دھرا جا سکتا تھا۔ آخر آج نہیں تو کل اسے ضرور اپنی سزا پانی ہے۔ انہیں بتانے کے لئے میرے پاس بہت سا مواد تھا۔ اگرچہ میری ان سے باقاعدہ خط و کتابت تھی اور میرے خطوں کے اقتباس حکومت کو جانے والی رپورٹوں اور اخباروں میں درج ہوتے تھے۔ اس کے باوجود میں انہیں وہ تمام تفصیلات نہ لکھ سکا تھا جنہیں سننے کے وہ بہت مشتاق تھے۔ مجھے بتانے کے لئے ایبٹ سن کے پاس بھی بہت سا مسالہ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اب تک آدم خور کے ہلاک نہ کئے جانے پر اخبارات نے بے حد ہنگامہ بپا کر رکھا تھا

اور یہ تجویز پیش کی جا رہی تھی کہ ہندوستان کے گوشے گوشے سے شکاریوں کو گھڑوال جانے کے لئے ترغیب دی جائے۔ اخبارات کی اس تحریک کے نتیجے کے طور پر ایبٹ سن کے پاس فقط دو شکاریوں کے خط آئے۔ ایک شکاری نے لکھا تھا کہ اگر اس کی آمد' رہائش' خوراک اور اسی نوعیت کے دوسرے انتظامات کر دیئے جائیں تو وہ آنے کے لئے تیار تھا۔ دوسرے شکاری نے یہ تجویز ارسال کی تھی کہ چیتے کو جلد از جلد ہلاک کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک بکری لے کر اس کی جلد پر آرسینک (ایک قسم کا زہر) کی تہہ چڑھا دی جائے۔ اور اسے آدم خور کے راستے میں باندھ دیا جائے اسے کھانے سے چیتا ہلاک ہو جائے گا۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ ایسی بکری کا منہ باندھ دیا جائے تاکہ وہ اپنے جسم سے آرسینک چاٹ نہ سکے۔

اس دن ہم دیر تک باتیں کرتے اور اپنی ناکامیوں کا جائزہ لیتے رہے۔ دوپہر کے کھانے پر جب میں نے ایبٹ سن کو چیتے کی اس عادت سے آگاہ کیا کہ وہ پانچ دن میں ایک دفعہ ضرور رودر پریاگ اور گلاب رائے کے درمیان یاترہ سڑک سے گزرتا تھا اور اسے ہلاک کرنے کا اب یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا کہ میں اگلی دس راتیں سڑک کے کنارے کسی مناسب جگہ پر اس کے انتظار میں گزاروں' تو پہلے وہ میری اس تجویز سے متفق نہ ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے پہلے ہی کئی راتیں جاگ کر گزاری ہیں اور مزید دس راتوں کی بیداری میرے اعصاب پر برا اثر ڈالے گی۔ بہرحال میں نے انہیں اپنا ہم خیال بنا لیا اور پھر انہیں بتایا کہ اگر اس عرصے میں میں چیتے کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو نینی تال لوٹ جاؤں گا اور کسی دوسرے شکاری کو اپنی قسمت آزمانے کے لئے میدان خالی کر دوں گا۔

وہ شام ایبٹ سن میرے ساتھ گلاب رائے تک گئے اور آم کے درخت پر مچان تیار کرنے میں انہوں نے میری مدد کی۔ آم کا وہ درخت آشرم سے ایک سو گز اور پنڈت کے مکان سے پچاس گز نیچے تھا۔ درخت کے نیچے اور سڑک کے درمیان ہم نے ایک مضبوط کھونٹ گاڑھ کر اس کے ساتھ ایک بکری باندھ دی اور اس کی گردن میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک گھنٹی باندھ دی۔ چاندنی راتیں اپنے عروج پر تھیں لیکن گلاب رائے کی مشرقی پہاڑیاں چاند کو وادی گنگا میں زیادہ دیر چمکنے کا موقع نہیں دیتیں۔ اگر چیتا اندھیرے میں آتا تو بکری نے مجھے اس کی آمد سے مطلع کر دینا تھا۔

جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ایبٹ سن یہ وعدہ کر کے واپس بنگلے چلے گئے کہ کل علی الصبح وہ دو آدمی میرے پاس بھیج دیں گے۔ جب میں ایک چٹان پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا اور اندھیرا پھیلنے کا انتظار کر رہا تھا تو پنڈت آیا اور میرے قریب بیٹھ گیا۔ وہ سگریٹ نہ پیتا تھا۔ شام کے ابتدائی حصے میں اس نے ہمیں مچان بناتے دیکھا تھا اور اب وہ مجھے یہ ترغیب دینے آیا تھا کہ میں مچان پر بیٹھنے کا ارادہ ترک کر دوں اور ساری رات بے آرامی میں گزارنے کے بجائے بستر میں نیند کے مزے لوں۔ میں نے اسے بتایا کہ فقط وہی ایک رات نہیں بلکہ اگلی نو راتیں بھی میں مچان پر بسر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اگر میں بد روح کو ہلاک نہ کر سکا تو کم از کم دوسرے دشمنوں کے حملوں سے اس کے گھر اور آشرم کو بچا نہ سکوں گا۔ رات میں فقط ایک دفعہ میرے اوپر والی پہاڑی پر ایک ککر بولا۔ اس کے بعد رات خاموش رہی۔ صبح کو میرے دو آدمی وہاں پہنچ گئے۔ اور انہیں یہ کہہ کر وہ میرا کمبل اور رائفل لیتے آئیں خود سڑک پر چیتے کے پنجوں کے نشان دیکھتا ہوا بنگلے کی طرف چل پڑا۔

اگلی نو راتوں میں میرے پروگرام میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ شام کے وقت میں اپنے دو آدمیوں کے ہمراہ مچان پر آتا اور انہیں اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی واپس بھیج دیتا۔ انہیں سختی سے کہا گیا تھا کہ وہ دن نکلنے سے پہلے بنگلے سے روانہ نہ ہوا کریں۔ لہٰذا وہ سورج نکلنے پر وہاں آتے اور میں ان کے ساتھ بنگلے کی سمت چل پڑتا۔

ان دس راتوں میں پہلی رات ککر کی آواز کے سوا میں نے اور کوئی آواز نہ سنی۔ یہ بات کہ آدم خور ابھی تک گرد و نواح میں موجود تھا۔ اس سلسلے میں میرے پاس کئی ثبوت تھے۔ ان راتوں میں اس نے دو دفعہ دو مکانوں پر حملے کئے اور پہلی دفعہ ایک بکری اور دوسری دفعہ ایک بھیڑ اٹھا لے گیا۔ دونوں جانور تلاش کرنے میں مجھے قدرے

دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ چیتا انہیں اٹھا کر دور تک لے گیا تھا اور اس نے دونوں کو کھا لیا تھا۔ لہٰذا ان کے قریب چھپ کر چیتے کا انتظار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ان دس راتوں میں ایک دفعہ چیتے نے ایک مکان کا دروازہ بھی توڑ دیا۔ لیکن خوش قسمتی سے وہ مکان دو کمروں پر مشتمل تھا اور دوسرے کمرے کا دروازہ اتنا مضبوط تھا کہ چیتے کے حملے کی تاب لا سکے۔

دسویں رات آم کے درخت پر گزارنے کے بعد جب میں بنگلے واپس آیا تو میں اور ایبٹ سن دیر تک آئندہ منصوبے پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ اس دوران میں کسی دوسرے شکاری کا خط وغیرہ نہ آیا تھا۔ نہ تو ایبٹ سن اور نہ ہی میں اب زیادہ دیر تک رودر پریاگ ٹھہر سکتے تھے۔ میں نے ضروری کام سے افریقہ جانا تھا اور اپنی روانگی تین ماہ سے ملتوی کر رکھی تھی اور اب اسے مزید التوا میں نہ ڈال سکتا تھا۔ ایبٹ سن دس دن اپنے ہیڈ کوارٹر سے دور رہے تھے اور کئی ضروری کام ان کے منتظر تھے لیکن ہم دونوں گھڑوال کو بھی آدم خور کے رحم و کرم پر چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ متضاد حالات کے پیش نظر سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا فیصلہ کریں۔ ایک حل یہ تھا کہ ایبٹ سن مزید چھٹی کی درخواست دے دیتے۔ اور میں افریقہ کا سفر بالکل منسوخ کر دیتا۔ آخر ہم اس بات پر متفق ہو گئے کہ آج کی رات تو حسب معمول گزاری جائے اور اگلی صبح اپنے آئندہ پروگرام کا تعین کیا جائے۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے ایبٹ سن کو بتایا کہ وہ رات گھڑوال میں آم کے درخت پر میری آخری رات ہو گی۔

گیارہویں اور آخری رات ایبٹ سن میرے ساتھ گئے۔ جب ہم گلاب رائے کے نزدیک پہنچے تو ہمیں سڑک کے کنارے بہت سے لوگ کھڑے نظر آئے۔ وہ آم کے درخت سے کچھ دور ایک کھیت میں کوئی چیز دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں نہ دیکھا تھا۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو وہ مڑے اور آشرم کی طرف چلنے لگے لیکن ان میں سے ایک ہماری طرف بڑھنے لگا۔ ہمارے استفسار کے جواب میں اس نے بتایا کہ وہ اور اس کے ساتھی گزشتہ ایک گھنٹے سے کھیت میں دو بڑے سانپوں کی لڑائی دیکھ رہے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کھیت میں تقریباً ایک برس سے کوئی فصل کاشت نہ کی گئی تھی۔ کھیت کے وسط میں ایک چھوٹی سی چٹان تھی۔ لوگوں نے آخری مرتبہ سانپوں کو اس کے قریب دیکھا تھا چٹان پر خون کے قطرے پڑے تھے۔ آدمی نے ہمیں بتایا کہ دونوں سانپ لہو لہان ہو چکے تھے۔ ایک قریبی درخت سے ایک موٹی سی چھڑی توڑ کر میں یہ دیکھنے کے لئے کھیت میں کود گیا کہ کیا چٹان کے قریب کوئی سوراخ تھا کہ نہیں۔ جونہی میں نے چھلانگ لگائی تو سڑک کے قریب ایک جھاڑی میں مجھے دونوں سانپ دکھائی دیئے۔ اس دوران ایبٹ سن نے بھی ایک مضبوط لکڑی پکڑ لی تھی اور جونہی ایک سانپ نے سڑک پر چڑھنے کی کوشش کی' ایبٹ سن نے اسے ہلاک کر دیا۔ دوسرا سانپ سڑک کے پاس ایک سوراخ میں گھس گیا' جہاں ہم اسے نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس سانپ کو ایبٹ سن نے ہلاک کیا تھا اس کا رنگ ہلکا خاکستری تھا اور وہ کوئی سات فٹ لمبا تھا۔ اس کی گردن پر چند زخم تھے۔ وہ کوبرے کی قسم کا کوئی سانپ تھا۔ سانپوں کے کاٹنے سے جانور بسااوقات چند منٹ میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن مجھے یہ علم نہیں کہ کیا ایک ہی قسم کے سانپوں کا زہر ایک دوسرے کو چڑھتا ہے کہ نہیں۔ جو سانپ سوراخ میں غائب ہوا تھا' شاید وہ تھوڑی دیر بعد مر گیا ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کئی برس تک زندہ رہا ہو۔

ایبٹ سن کے چلے جانے پر پنڈت آشرم کی طرف جاتے ہوئے میرے درخت کے نیچے سے گزرا۔ اس کے ہاتھ میں دودھ سے بھرا ہوا ایک برتن تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ آشرم کے قریب کوئی ڈیڑھ سو یاتری آئے تھے۔ وہ رات وہیں بسر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اور وہ ان کے سامنے بے بس تھا۔ دیر ہونے کے سبب میں بھی کچھ نہ کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے پنڈت کو تنبیہہ کر دی کہ وہ یاتریوں کو جا کر بتا دے کہ سب ایک جگہ رہیں اور اندھیرا پھیلنے پر باہر بالکل نہ نکلیں۔ پنڈت تیز تیز قدموں آشرم کی سمت چل پڑا۔ چند منٹ بعد اس نے مجھے اطلاع دی کہ اس نے یاتریوں کو خبردار کر دیا تھا۔

سڑک سے قریب اور میرے درخت سے تقریباً ایک سو گز دور ایک کھیت کے اندر خار دار جھاڑیوں کا ایک باڑہ تھا جس کے اندر شام کے ابتدائی حصے میں ایک مسافر گلہ بان اپنی بھیڑ بکریاں لے کر ٹھہرا ہوا تھا۔ گلہ بان کے ساتھ دو کتے بھی تھے جو ہمیں دیکھ کر بڑے خوفناک انداز میں بھونکے تھے۔ اور ایبٹ سن کے جانے پر انہوں نے پھر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

چاندنی راتیں ڈھل چکی تھیں۔ ساری وادی پر اندھیرا مسلط تھا۔ کوئی نو بجے کے قریب میں نے ایک آدمی کو ہاتھ میں لالٹین لئے آشرم سے نکل کر سڑک عبور کرتے دیکھا۔ چند منٹ بعد وہ دوبارہ آشرم کی طرف آیا اور اندر داخل ہو کر اس نے لالٹین بجھا دی۔ اس لمحے گلہ بان کے کتے بڑی تیزی سے بھونکنے لگے۔ کتے بلاشبہ چیتے کو دیکھ کر بھونک رہے تھے' جس نے شاید لالٹین والے آدمی کو دیکھ لیا تھا اور اب اس کے تعاقب میں آشرم کی طرف آ رہا تھا۔

پہلے تو کتے سڑک کی طرف منہ کر کے بھونکتے رہے۔ لیکن چند منٹ بعد وہ مڑے اور میری سمت میں بھونکنے لگے۔ میرے خیال کے مطابق چیتے نے درخت کے نیچے بندھی ہوئی بکری کو دیکھ لیا تھا۔ اور وہ کتوں کی نظروں سے اوجھل ہونے کی خاطر زمین پر لیٹ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب کتوں نے بھونکنا بند کر دیا تھا۔ چیتا اب اپنے اگلے اقدام کے متعلق سوچ رہا تھا۔ میں چیتے کی آمد سے باخبر ہو گیا تھا اور مجھے یہ بھی علم تھا کہ وہ میرے درخت کے عقب سے بکری کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ خدشہ کتنی دیر سے تنگ کر رہا تھا کہ کیا چیتا بکری پر حملہ کرے گا یا اس کے گرد چکر لگا کر آشرم کی طرف جا کر وہاں قسمت آزمائے گا اگر وہ بکری پر حملہ کرتا تو اس صورت میں مجھے اس پر گولی چلانے کا موقع مل جانا تھا۔

درخت پر مسلسل دس راتیں بیٹھنے سے میں نے ایک ایسی پوزیشن اختیار کر لی تھی جس کے سبب سے میں کم سے کم جنبش کے بغیر کم سے کم وقت میں گولی چلا سکتا تھا۔ میری مچان اور لکڑی کے درمیان کوئی بیس فٹ کا فاصلہ تھا لیکن درخت کے نیچے اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قدر کثیف اندھیرا تھا کہ آنکھوں پر زور دینے کے باوجود مجھے درخت کے نیچے بکری دکھائی نہ دیتی تھی۔ آخر میں نے آنکھیں بند کر کے کانوں پر بھروسہ کر لیا۔

میں نے اپنی رائفل کو جس کے ساتھ برقی ٹارچ لگی ہوئی تھی' بکری کی سمت کر رکھا تھا۔ ابھی میرے ذہن میں یہی خیال تھا کہ اب چیتا آشرم کے باہر پہنچ کر اپنا شکار تلاش کرنے میں محو ہو گا کہ اتنے میں درخت کے نیچے بکری کے گلے کی گھنٹی زور سے بجنے لگی۔ ٹارچ کا بٹن دبا کر اس کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ رائفل کی دونوں نالیاں چیتے کے کندھے پر نشانہ لئے ہوئے تھیں۔ رائفل کو ایک انچ کا بیسواں حصہ بھی ہلائے بغیر میں نے گھوڑا دبا دیا۔ گولی چلتے ہی ٹارچ خود بخود بجھ گئی۔

اس زمانے میں ٹارچیں عام استعمال نہ ہوتی تھیں۔ اور اس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی میری ٹارچ تھی۔ میں اسے چند ماہ اٹھائے اٹھائے پھرا تھا۔ اور اسے استعمال کرنے کا مجھے کوئی موقع میسر نہ ہوا تھا۔ لہٰذا مجھے معلوم نہ تھا کہ اس کی بیٹری چارج ہونے والی تھی کہ نہیں۔ جب میں نے ٹارچ کا بٹن دبایا تھا تو اس میں سے مدھم سی روشنی نکلی' اور وہ بجھ گئی۔ اب پھر میرے چاروں طرف اندھیرا تھا اور مجھے اپنی گولی کا نتیجہ معلوم نہ ہو سکا تھا۔

میری گولی کی گونج بتدریج وادی میں کھو رہی تھی کہ پنڈت نے دروازہ کھول کر مجھ سے پوچھا کہ کیا مجھے کسی کی مدد کی ضرورت تھی میں اس وقت اپنی تمام تر توجہ سے چیتے کی کوئی آواز سننے میں محو تھا لہٰذا میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور اس نے بھی جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔

جب میں نے چیتے پر گولی چلائی تھی تو اس وقت وہ سڑک کی دوسری سمت مجھ سے دور منہ کئے لیٹا تھا اور مجھے مبہم سا خیال تھا کہ گولی چلنے پر وہ بکری پر کودا تھا اور پنڈت کی آواز سے ایک لمحہ پہلے میں نے اس کی ہلکی سی کرب ناک آواز سنی تھی۔ لیکن اس کے متعلق مجھے یقین نہ تھا کہ میری گولی کی آواز سے یاتری جاگ اٹھے تھے مگر چند منٹ کی سرگوشیوں کے بعد وہ دوبارہ سو گئے۔ بکری زخمی محسوس نہ ہوتی تھی

کیونکہ وہ رسے کی لمبائی تک ادھر ادھر گھوم کر گھاس چر رہی تھی۔

میں نے دس بجے گولی چلائی تھی۔ چونکہ ابھی چند گھنٹوں تک چاند نے طلوع نہ ہونا تھا اور اس دوران میرے لئے بیکار بیٹھنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا لہٰذا میں آرام سے بیٹھا سگریٹ پیتا اور کوئی آواز سننے کی کوشش کرتا رہا۔

کئی گھنٹے بعد چاند دریائے گنگا کے کنارے پہاڑیوں کے اوپر طلوع ہوا اور اس کی زرد روشنی ساری وادی میں پھیل گئی۔ جب چاند ذرا بلند ہوا تو میں درخت کی سب سے اونچی شاخ پر چڑھ گیا لیکن پھیلی ہوئی شاخیں میری نظروں کے راستے میں رکاوٹ بنی رہیں۔ دوبارہ مچان پر آ کر میں درخت کی سڑک کی جانب جھکنے والی شاخوں پر چڑھ گیا لیکن اب بھی میرے لئے پہاڑی کی اس سمت دیکھنا مشکل تھا جدھر میرے خیال میں چیتا گیا تھا۔ اس وقت تین بجے تھے۔ دو گھنٹے بعد چاند کی زردی میں اضافہ ہونے لگا۔ جب مشرقی افق سے دن جنم لینے کی تیاری کر رہا تھا اور گرد و پیش کی چیزیں ہلکی ہلکی روشنی میں قدرے دکھائی دینے لگیں تو میں درخت سے اتر پڑا بکری نے ممیا کر میرا استقبال کیا۔

بکری سے دور اور عین سڑک کے کنارے چھوٹی چھوٹی چٹانوں کی ایک قطار تھی۔ ان چٹانوں پر مجھے خون کی ایک انچ چوڑی لکیر دکھائی دی۔ جس چیتے سے وہ خون نکلا تھا وہ چند منٹ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکتا تھا۔ لہٰذا ان احتیاطوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جو عموماً کسی زخمی درندے کی خون کی لکیر کا تعاقب کرتے وقت پیش نظر رکھی جاتی ہیں۔ میں سڑک کے نیچے کی سمت چلنے لگا۔ ابھی میں پچاس گز گیا تھا کہ مجھے چیتا مل گیا۔ وہ زمین پر ایک گڑھے کے اندر پڑا تھا۔ اور اس کی ٹھوڑی گڑھے کے کنارے پر ٹکی تھی۔

مجھے کوئی ایسا نشان دکھائی نہ دیا جس سے میں مردہ جانور کی شناخت کر سکتا۔ اس کے باوجود مجھے لمحہ بھر کے لئے بھی شک نہ گزرا کہ گڑھے کے اندر مردہ جانور چیتا نہ تھا۔ لیکن اب یہاں کوئی شیطان نہ تھا جو اپنے شیطانی قہقہوں کے درمیان اس بات کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منتظر ہو کہ کب میں اپنی حفاظت سے ذرا غفلت کروں تو وہ اپنے خونیں دانت میری گردن میں گاڑ دے۔ اب میرے سامنے ایک بوڑھا چیتا پڑا تھا جو اپنی نسل سے اس لحاظ سے جدا تھا کہ اس کا منہ خاکستری تھا اور اس کی مونچھوں کے بال غائب تھے۔ ہندوستان کا سب سے دہشت ناک جانور جس سے ہر کوئی نفرت کرتا تھا اور انسانی قوانین کے مطابق جس کا یہ جرم تھا کہ اس نے فقط اپنی زندگی میں اضافہ کرنے کے لئے انسانی خون بہانا شروع کر دیا تھا' اور جو اب اپنی ٹھوڑی گڑھے کے کنارے پر ٹکائے نیم باز آنکھوں سے ابدی نیند سو رہا تھا۔

جب میں وہاں کھڑا اپنی رائفل کی دوسری نالی میں سے کارتوس نکال رہا تھا تو میں نے پیچھے کھانسی کی ہلکی سی آواز سنی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو پنڈت سڑک کے کنارے سے میری سمت جھانک رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ چیتے کا سر دیکھتے ہی وہ رک گیا۔ اور مجھ سے سرگوشی کے عالم میں پوچھا کہ وہ مر چکا تھا یا سو رہا تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ مر چکا تھا اور یہ وہی بد روح تھی جس نے پانچ برس پہلے اس کا گلا پھاڑ دیا اور جس کے خوف کے مارے اس نے گزشتہ شب جلدی سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ یہ سن کر اس نے دونوں ہاتھ باندھے اور اپنا سر میرے قدموں پر رکھنے کی کوشش کی۔ دوسرے لمحے سڑک سے ایک آواز سنائی دی۔ "صاحب! آپ کہاں ہیں۔" میرا ایک آدمی مجھے متفکر آواز میں بلا رہا تھا۔ جب میں نے اس آواز کا جواب دیا تو چار سرنمودار ہوئے اور چار آدمی بھاگے بھاگے ہماری سمت آئے۔ ان میں سے ایک آدمی نے لالٹین اٹھا رکھی تھی جسے بجھانا وہ بھول گیا تھا۔

چیتا گڑھے میں پڑا پڑا اکڑ گیا تھا۔ لہٰذا قدرے دقت سے اسے باہر نکالا گیا۔ جب چیتے کو آدمیوں کے لائے ہوئے بانس کے ساتھ باندھا جا رہا تھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ ساری رات سو نہ سکے تھے اور جونہی ایبٹ سن کے جمعدار کی گھڑی نے ساڑھے چار بجائے تو انہوں نے لالٹین روشن کی اور بانس لے کر میری طرف چل پڑے۔ ان کے خیال کے مطابق مجھے ان کی سخت ضرورت تھی۔ لیکن آم کے درخت کے نزدیک پہنچ

کر مجھے مچان سے غائب بکری کو صحیح و سلامت اور چٹانوں پر خون کی لکیر دیکھ کر انہوں نے اندازہ لگایا کہ آدم خور نے مجھے ہلاک کر دیا تھا اور یہ نہ جانتے ہوئے کہ اب وہ کیا کریں' انہوں نے مجھے آواز دی تھی۔

پنڈت کو یہ ہدایت کر کے کہ وہ مچان پر سے میرا نمدا اتار لے' چاروں آدمی بکری کو اپنے آگے ہانکتے ہوئے معائنہ بنگلے کی سمت چل پڑے۔ بکری جو میرے بروقت فائر کرنے سے موت کے منہ سے بال بال بچی تھی اور جسے کسی قسم کا زخم بھی نہ آیا تھا۔ اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ اس کے رات کے معرکے نے اسے باقی ساری زندگی کے لئے ہیرو بنا دیا تھا۔ اس کے گلے میں خوبصورت ہار پہنایا جانا تھا اور اس نے اپنے مالک کے لئے آمدنی کا ایک ذریعہ بن جانا تھا۔ (بعد میں میں نے وہ بکری اسی شخص کو دے دی جس سے میں نے اسے خریدا تھا)

جب میں نے بنگلے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایبٹ سن ابھی تک سوئے ہوئے تھے۔ دروازے کے شیشے میں سے مجھے دیکھتے ہی وہ ایک چھلانگ لگا کر بستر سے نکلے اور بھاگ کر دروازہ چوپٹ کھول دیا۔ انہوں نے مجھے زور سے بانہوں میں بھینچ لیا اور اگلے لمحے وہ چیتے کے گرد ناچنے لگے جسے آدمیوں نے برآمدے میں رکھ دیا تھا۔ میرے لئے گرم چائے اور غسل کے لئے گرم پانی کا حکم دے کر انہوں نے ایک دم اپنے سٹینو گرافر کو بلایا اور اس وقت حکومت' اخبارات' میری بہن اور میری بیوی جین کو تار لکھوا دیئے۔ انہوں نے مجھ سے ایک سوال نہ پوچھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ علی الصبح جو چیتا میں ان کے پاس لایا تھا وہ آدم خور کے سوا کون ہو سکتا تھا۔ لہٰذا سوالات کی کیا ضرورت تھی۔ گزشتہ موقع پر ہر قسم کے دلائل کے باوجود میں اس بات پر مصر رہا تھا کہ لوہے کے پھندے میں ہلاک کیا جانے والا چیتا آدم خور نہ تھا۔ لیکن اس موقع پر میں نے کچھ نہ کہا تھا۔

گزشتہ اکتوبر سے ایبٹ سن کے کندھوں پر یہ ایک بھاری ذمہ داری تھی۔ کیونکہ آدم خور کے متعلق صوبے کی دستور ساز اسمبلی کے نمائندوں اور حکومت کے افسروں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے تمام سوالات کے جواب انہیں کو دینے پڑتے تھے۔ ان کی پوزیشن ایک طویل عرصے سے اس پولیس آفیسر جیسی تھی جو ایک نامور مجرم کی شناخت کے باوجود اسے مزید جرائم کے ارتکاب سے نہ روک سکے اور اس پر ہر طرف سے نکتہ چینی کی بوچھاڑ ہو لہٰذا اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ 2_ مئی 1926ء کو ایبٹ سن دنیا کے مسرور ترین انسان تھے کیونکہ اب وہ حکومت اور اخبارات کو مطلع کرنے کے علاوہ ردر پریاگ اور گرد و نواح کے دیہات کے باشندوں کو بھی بتا سکتے تھے کہ جو بد روح انہیں آٹھ برس سے تنگ کر رہی تھی' اب اس کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

چائے کی کئی پیالیاں پینے اور غسل کرنے کے بعد میں نے تھوڑی دیر سونے کی کوشش کی مگر شدت جذبات سے مجھے نیند نہ آ سکی اور میں بستر سے نکل آیا۔ پھر ایبٹ سن اور میں نے چیتے کو ملا اور اس کا بغور معائنہ کیا۔ ہماری پیائش اور معائنے کے نتائج درج ذیل ہیں۔

پیائش

لمبائی پنجوں کے درمیان سے ..... 7 فٹ 6 انچ
لمبائی جسم کے خموں کے اوپر سے ..... 7 فٹ 10 انچ
(نوٹ_ چیتے کی موت کے بارہ گھنٹے بعد یہ پیائش کی گئی تھی)

حلیہ

رنگ ..... ہلکا خاکستری
بال ..... چھوٹے اور تیز
مونچھیں ..... کوئی نہیں
دانت ..... پرانے اور بے رنگ' سامنے کا ایک بڑا دانت ٹوٹا ہوا
زخم ..... دائیں کندھے میں گولی کا ایک تازہ زخم
زبان اور منہ ..... کالے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پچھلے بائیں بازو میں گولی کا ایک پرانا زخم۔ اسی پنجے سے ایک ناخن اور پنجے کا ایک حصہ غائب۔

سر پر کئی زخم جو ایک حد تک مندمل ہو چکے تھے۔

پچھلی دائیں ٹانگ پر ایک گہرا زخم جو ایک حد تک مندمل ہو چکا تھا۔

دم پر کئی زخم جو بڑی حد تک مندمل ہو چکے تھے۔

بائیں پچھلی ٹانگ کی ران پر ایک زخم جو ایک حد تک مندمل ہو چکا تھا۔

چیتے کا منہ اور زبان کیوں کالے تھے اس کی وجہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ وہ سائنائیڈ کا اثر تھا۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سر' دم اور پچھلی دائیں ٹانگ کے ایک حد تک مندمل زخم اسے بھینس وارہ میں دوسرے چیتے سے لڑائی کے دوران آئے تھے۔ پچھلی بائیں ران کا زخم پھندے میں گرفتار ہونے کے سبب تھا۔ پچھلی بائیں ٹانگ کے پنجوں کا زخم اس گولی کا نتیجہ تھا جو 1921ء میں نوجوان فوجی افسر نے پل پر سے چلائی تھی۔ چیتے کی کھال اتارتے وقت اس کے سینے کے قریب جلد میں سے ایک چھوٹی سی گولی نکلی۔ کئی برس بعد ایک ہندوستان عیسائی نے دعویٰ کیا کہ جس سال چیتا آدم خور بنا تھا' یہ گولی اس نے اسے ماری تھی۔

جب ایبٹ سن اور میں چیتے کی پیائش اور معائنہ کر چکے تو اسے ایک درخت کے سائے میں ڈال دیا گیا۔ صبح سے شام تک ہزاروں مرد' عورتیں اور بچے اسے دیکھنے کے لئے آئے۔

ہمارے پہاڑی باشندے جب کسی خاص مقصد کے تحت کسی شخص کو ملنے جاتے ہیں' مثلاً اس سے عقیدت کا اظہار یا اس کا شکریہ ادا کرنے کی خاطر' تو وہ کبھی خالی ہاتھ نہیں جاتے بلکہ اس کے لئے پھول لے جاتے ہیں۔ جب وہ شخص اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پھول چھو لیتا ہے تو ہدیہ پیش کرنے والا پھولوں کو اس شخص کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس سے پہلے بھی لوگ کئی دفعہ مجھ سے عقیدت کا اظہار کر چکے تھے لیکن اس موقع پر لوگوں کا جوش عقیدت اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ پہلے معائنہ بنگلے میں اور پھر رودر پریاگ بازار میں ایک استقبالیہ کے موقع پر لوگوں نے صحیح معنوں میں مجھے پھولوں میں دفنا دیا۔

"صاحب! اس نے ہمارا اکلوتا بیٹا ہلاک کر دیا۔ اب ہم بوڑھے ہیں اور ہمارا گھر ویران ہے۔"

"وہ میرے پانچ بچوں کی ماں کو کھا گیا۔ سب سے چھوٹا بچہ چند ماہ کا تھا۔ اب گھر میں بچوں کی دیکھ بھال اور کھانا پکانے کے لئے کوئی نہیں۔"

"میرا بچہ رات کو بیمار ہو گیا۔ کوئی ہسپتال سے دوا لانے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا وہ مر گیا۔"

لوگ ایک المیے کے بعد دوسرا المیہ بیان کرتے جاتے اور میرے پاؤں کے نیچے زمین پھولوں سے رنگین ہوتی جاتی۔

○

حرف آخر

جن واقعات کا میں نے ذکر کیا ہے وہ 1925ء اور 1926ء سے تعلق رکھتے ہیں سولہ برس بعد 1942ء میں جنگی فرائض کے سلسلے میں میرٹھ میں مقیم تھا۔ ایک دن کرنل فلائی نے زخمیوں کی تفریح کے سلسلے میں ایک دعوت منعقد کی اور مجھے اور میری بہن کو وہاں مدعو کیا۔ تقریباً پچاس ساٹھ کے قریب ہندوستان کے ہر گوشے سے آئے ہوئے لوگ ایک ٹینس کورٹ کے گرد بیٹھے تھے اور ہماری آمد سے تھوڑی دیر پہلے کھانے پینے سے فارغ ہوئے تھے۔ ٹینس کورٹ کے ایک سرے سے میری بہن اور میں مدعوئین کے گرد چکر لگا کر اپنی نشست کی طرف بڑھنے لگے۔

زیادہ تر حاضرین مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ آرام کے بعد وہ گھر جا رہے تھے۔ بعض چھٹی پر اور بعض ڈسچارج ہو کر۔

مسز فلائی نے گراموفون پر ہندوستانی موسیقی کا انتظام کر رکھا تھا۔ یہ دعوت ابھی مزید دو گھنٹے جاری رہنی تھی اور مسز فلائی نے ہم سے درخواست کی تھی کہ ہم اتنی دیر تک وہیں ٹھہریں۔ یہ وقت گزارنے کی خاطر میری بہن اور میں زخمیوں سے ملنے لگے۔

زخمی سپاہی ایک دائرے کی شکل میں بیٹھے تھے۔ ابھی میں نے نصف دائرہ طے کیا تھا کہ میں نے ایک لڑکے کو ایک پستہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ اسے بڑے گہرے زخم آئے تھے۔ اس کے قریب ہی زمین پر دو بیساکھیاں پڑی تھیں۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ کوشش کر کے کرب کے عالم میں زمین کی طرف جھکا اور اپنا سر میرے پاؤں پر رکھنے کی کوشش کی۔ ہسپتال میں کئی ماہ گزارنے پر وہ بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ جب میں نے اسے اٹھا کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا تو اس نے کہا۔ "میں آپ کی بہن سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

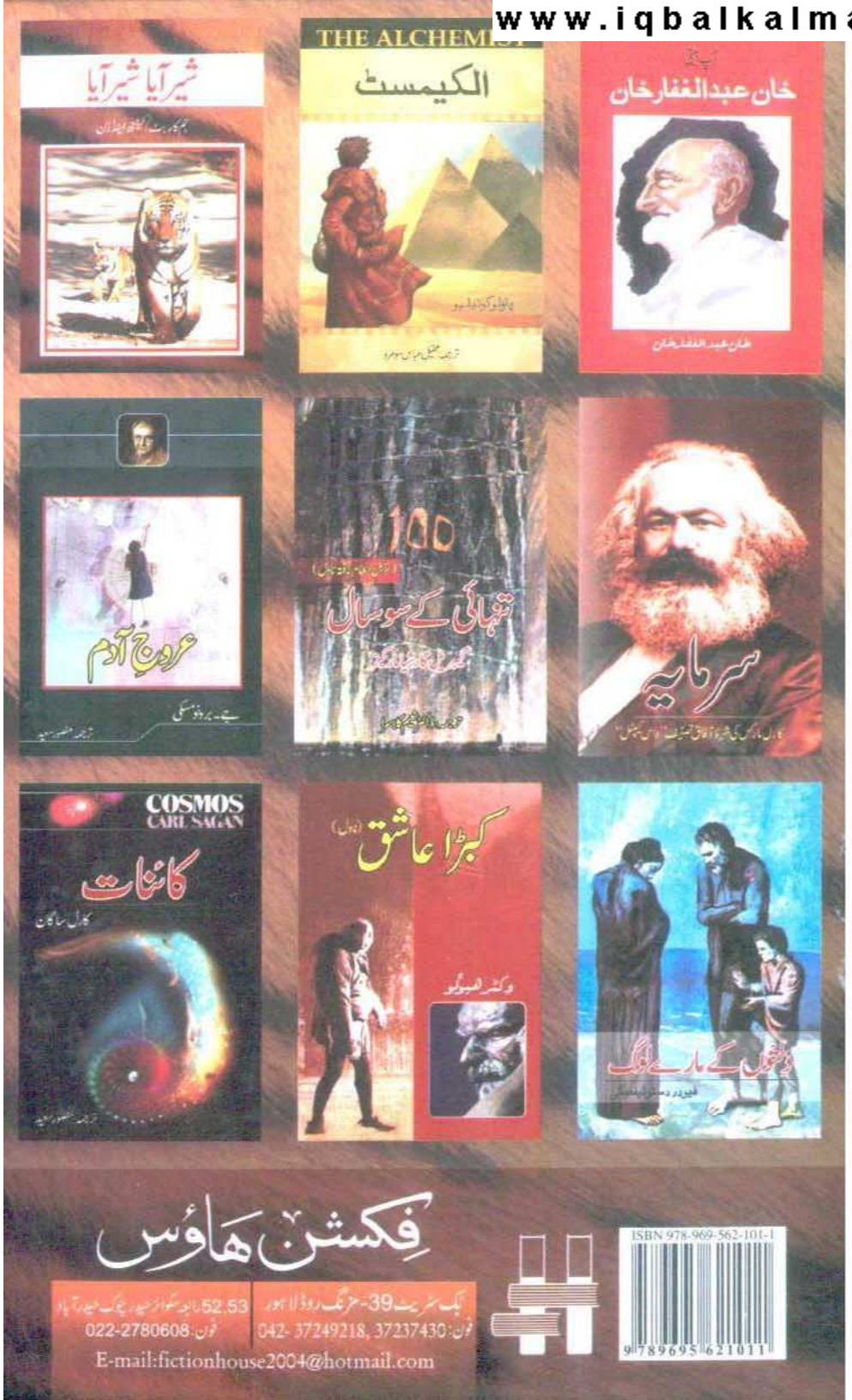

باتیں کر رہا تھا۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ میں ایک گھڑوالی ہوں تو انہوں نے مجھے آپ کا نام بتایا۔ جب آپ نے آدم خور کو ہلاک کیا تھا' اس زمانے میں میں ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔ چونکہ ہمارا گاؤں رودر پریاگ سے بہت دور تھا لہٰذا میں وہاں پیدل نہ پہنچ سکتا تھا۔ میرے باپ کی صحت بھی اتنی اچھی نہ تھی کہ مجھے کندھوں پر اٹھا کر وہاں تک لے جاتا۔ لہٰذا مجھے اپنے گھر پر ہی ٹھہرنا پڑا۔ جب میرا باپ واپس آیا تو اس نے مجھے بتایا کہ اس نے آدم خور کو دیکھا تھا اور اس صاحب کو بھی جس نے اسے ہلاک کیا تھا۔ اس نے اس دن تقسیم ہونے والی مٹھائی کا ذکر بھی کیا اور اپنے حصے کی مٹھائی میرے لئے لے آیا تھا۔ صاحب۔! اب میں انتہائی خوشی کے عالم میں گھر جاؤں گا اور اپنے باپ کو بتاؤں گا کہ میں بھی اس صاحب سے ملا ہوں اور اگر رودر پریاگ میں ہر سال آدم خور کی موت کی خوشی میں منعقد ہونے والے میلے پر مجھے کوئی اٹھا کر لے گیا تو میں وہاں بھی تمام لوگوں کو بتاؤں گا کہ میں آپ سے ملا تھا اور آپ سے باتیں کی تھیں۔

سن بلوغت کی دہلیز پر کھڑا اپاہج نوجوان جو خستگی کے عالم میں جنگ سے واپس آ رہا تھا۔ جس کے ذہن میں اپنے بہادرانہ کارنامے سنانے کا کوئی خیال نہ تھا۔ اور جو اپنے والد کو فقط یہ بتانے کا مشتاق تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھا تھا جسے لوگ فقط اس بات کی بدولت یاد رکھنے کے خواہش مند تھے کہ اس نے ایک صحیح فائر کیا تھا۔

گھڑوال کا ایک سادہ لوح اور محنت کش بیٹا' برعظیم ہند کا سپوت۔ ان لوگوں کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو ان کے درمیان رہا ہو۔ یہ وہی شیر دل لوگ ہیں جو مختلف فرقوں یا مذہبوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک دن افسانے کو حقیقت کے روپ میں ڈھال کر ہندوستان کو ایک عظیم قوم بنا دیں گے۔

○ ○ ○

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com